جلد ۹۵ مارچ ۱۹۸۱ء عدد ۱

ماہنامہ

ترجمان القرآن

ابوالاعلیٰ مودودی

ادارۂ ترجمان القرآن اچھرہ لاہور

سیّد ابوالاعلیٰ مودودی

کی

اوّلین تصنیف

الجہاد فی الاسلام

- جو کہ ۲۳ سال کی عمر میں تحریر کی گئی۔
- جس کی علامہ اقبالؒ نے بھی تعریف و تحسین فرمائی۔
- جسے تحریکِ قیامِ پاکستان کے دوران میں مسلمانوں میں جذبۂ جہاد پیدا کرنے کے لیے کثیر تعداد میں پھیلایا گیا۔
- اسلام کے نظریۂ جہاد اور قانون صلح و جنگ کی بہترین اور مکمل تصویر۔
- دیگر مذاہب و اقوامِ عالم کے جنگی مقاصد و نظریات۔

—— اور ——

- بین الاقوامی قوانینِ قتال کا تقابلی مطالعہ
- اسلامی قواعدِ جہاد کی برتری کے تفصیلی دلائل
- جہاد کے مخالفین و معترضین کا مُسکت جواب
- درجنوں کتب و دستاویزات کے مطالعہ کا نچوڑ

۶۰۰ صفحات ○ قیمت : ۳۶ روپے

اِدارہ ترجمان القرآن

اچھرہ ○ لاہور

ترجمان القرآن لاہور

فہرست

جلد ۹۵ | مارچ سنہ ۱۹۸۱ء مطابق جمادی الاولیٰ سنہ ۱۴۰۱ھ | عدد ۱

ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور

۵ - اے ذیلدار پارک، اچھرہ - لاہور

زر سالانہ ۳۰/- روپے - فی پرچہ ۳/- روپے

فون نمبر ———— ۴۱-۳۱۶

سید حسین فاروق مودودی پبلشر نے پیج فاروق ایسوسی ایٹس لمیٹڈ سے چھپوا کر دفتر ترجمان القرآن اچھرہ لاہور سے شائع کیا۔

پرنٹر: سید حسین فاروق مودودی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

اِس مرتبہ ہم ایک آیت اور چار حدیثوں کا مطالعہ کرتے ہیں۔

حکومت و قیادت کا شعبہ چونکہ دوسرے تمام دائروں پر اثر انداز ہوتا ہے، اس وجہ سے اسلام نے اہلِ ایمان و تقویٰ کو اس معاملے میں بڑی واضح ہدایات بھی دی ہیں اور کوتاہ کاری کی صورت میں سخت وعیدیں بھی سنائی ہیں۔ ان چیزوں کو وقتاً فوقتاً مطالعہ میں لانا چاہیے۔ اور اُن میں تدبّر کرنا چاہیے۔

سورۂ حج کی آیت ۴۱ (اَلَّذِيْنَ مَكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ...... الخ) اوّلین مقام رکھتی ہے مدعا یہ ہے کہ اسلامی حکومت کا قیام اور اسلام کے احکام و قوانین کا نفاذ ان خوش اوصاف لوگوں کے ذریعے ہو سکتا ہے۔ جنہیں اگر خدا تعالیٰ زمین میں قوت و اقتدار دے تو وہ نمازوں کو قائم کرائیں اور زکوٰۃ کا ادارہ قائم کر کے نادار اور حاجت مند اور مصیبت زدہ آبادی کو سہارا دیں۔ اور انہیں اُوپر اٹھائیں۔ جو معروف یعنی جانی پہچانی نیکیوں کے لیے حکم جاری کریں اور برائیوں کے انسداد کا انتظام کریں۔ اس آیت سے پہلے کے حصے کے ساتھ ربط سے کر اسے پڑھا جاتے تو یہ پہلو سامنے آتا ہے کہ یہ بھاری کام صرف وہ لوگ کر سکتے ہیں جو دعوتِ حق کو پھیلانے اور توحید کی علمبرداری کرنے کی وجہ سے گھروں اور وطن تک کی قربانیاں دے سکتے ہوں، جو لمبے دَورِ ابتلاء کو صبر سے بھگت سکتے ہوں اور جو وقت آنے پر اسلام کی سربلندی کے لیے مزاحم و مانع قوتوں کے خلاف میدانِ جنگ میں اپنا لہو پیش کر سکتے ہوں۔ یعنی جن کی زندگیوں کا برسوں سے نصب العین ہی یہ رہا ہو کہ وہ اللہ کے دین اور اس کے قانون کو غالب کریں گے اور جب بھی قوت و اختیار ملے گا، اُسے اسی مقصد کے لیے استعمال کریں گے۔

یعنی غلبۂ اسلام اور نفاذِ شریعت کا عمل حکومت و قیادت سے بہت پہلے شروع ہوتا ہے، اور

اسی عملِ مسلسل کے نتیجے میں ایک دن نیکی کا راج قائم ہوتا ہے جو بدی کی قوت کو اکھاڑ دیتا ہے۔ اس مسلسل عمل سے مدبروں اور کارپردازوں اور کارکنوں کی ایک منظم و مربوط ٹیم وجود میں آتی ہے، نیز اس کی وجہ سے اس ٹیم کے ہر فرد کا ذہن بنتا ہے اور کردار تشکیل پاتا ہے۔

بغیر اس عملِ مسلسل کے محض کسی اچھے جذبے کے فرد یا چند افراد کا میدان میں آکر یکایک یہ چاہنا کہ اقامتِ دین کا فریضہ انجام پا جائے، قرآنی شعور کے تحت قابلِ تصور نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کچھ متفرق اور ادھورے نیک کام بھی ہو جائیں، مگر دوسری طرف خرابیوں کا ایسا طوفان بھی اٹھ سکتا ہے کہ متفرق نیک کاموں کے جزیرے بھی زیرِ آب آجائیں۔

معروف کے نفاذ اور منکر کے انسداد کے لیے محض چند احکام اور چند سفارشوں اور اپیلوں سے کام نہیں چلتا۔ بلکہ اس بھاری کام کے لیے جامع منصوبہ بنا کر بڑی تدبیر کی سے لمبا کام کرنا پڑتا ہے اور اس میں جہاں محبت سے تعلیم و تلقین کا سلسلہ جاری رہتا ہے، وہاں دوسری طرف بعض مواقع پر سختی بھی کرنا پڑتی ہے۔ تعلیم و تہدید میں اگر توازن نہ ہو تو یا تو تہدید کے فقدان کی صورت میں احکام بے وقعت ہو جائیں گے، اور یا ضرورت سے زیادہ تہدیدی انداز کی وجہ سے وہ عوام کے لیے بارِگراں بن جائیں گے۔ ایک اصولی چیز اقامتِ صلوٰۃ ہی کو لیجیے جو ذہنی اور اخلاقی تعمیر کا بڑا ذریعہ ہے۔ اس کا حکم تو دے دیا جائے مگر تنفیذ کا پورا اہتمام نہ ہو، اداروں اور دفتروں کے کارپردازوں کو اس کا ذمہ دار نہ بنایا جائے اور ناکارہ ثابت ہونے والوں پر گرفت نہ کی جائے، زندگی کے کسی دائرے میں پابندِ صوم و صلوٰۃ ہونے کی کوئی خاص اہمیت نہ ہو تو حکمِ صلوٰۃ مذاق بن جائے گا۔ پھر اگر بیک وقت صلوٰۃ کے ساتھ ساتھ فحش رقاصی یا رشوت و خیانت کا دَور دَورہ بھی رہے اور ان چیزوں کے انسداد کے لیے کوئی تدبیر نہ کی جاسکے تو یہ تضاد ایک اہم نیک اقدام کو خراب کر دے گا۔ اسی طرح اگر کارپردازوں کی صف ہی میں خلاف ورزیاں کرنے والے موجود ہوں تو کوئی بھی نیک سعی و تدبیر رائیگاں جا سکتی ہے۔

مدعا یہ کہ نفاذِ اسلام یا اقامتِ صلوٰۃ و ایتائے زکوٰۃ یا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ذمہ داریاں انجام دینے کے لیے پوری بصیرت کے ساتھ منصوبہ بندی کرنا ضروری ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ایک روایت بڑی لرزا دینے والی ہے - انہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بیان کیا ہے کہ "اے اللہ! جس شخص کو میری امت کی کسی بھی درجہ میں داری (قیادت) دی جائے اور پھر وہ امت کو تکلیف یا تنگی میں مبتلا کرے تو تو بھی اسے تنگی میں مبتلا کر"۔ اسی کا دوسرا پہلو بھی روایت میں ہے کہ جو امیر امت سے شفقت کا برتاؤ کرے تو بھی اس کے ساتھ شفقت کا برتاؤ کر۔

تنگی اور تکلیف میں ڈالنے سے مراد یہی نہیں کہ اُن کو بلا جوازِ شرعی تلوار کا چارہ بنایا جائے اور لاٹھیوں سے توم دیا جائے یا جیلوں میں ڈال دیا جائے، یہاں ایک لفظ مشقت میں وہ ساری تکلیف دہ صورتیں آگئی ہیں، جو حاکم رعیت کے لیے پیدا کرسکتا ہے - مثلاً وہ انہیں ایسے معاشی حالات میں ڈال دیتا ہے کہ تکسمہ جبین سے روزی حاصل نہیں کرسکتے، اُن پر کارپردازانِ حکومت اور دفاترِ حکومت کی مسرفانہ تنخواہوں اور سامانوں کا بار ڈال دیتا ہے، ٹیکسوں کے ذریعے قیمتوں کے بوجھ کو ناقابلِ برداشت بنا دیتا ہے، ان پر قومی قرضوں کا کمر توڑ پشتارہ لاد دیتا ہے اور اس میں مسلسل اضافہ کرتا ہے۔ اُن کی فریادوں کے راستے میں رکاوٹیں حائل کر دیتا ہے، اُن کو فریاد اور تنقید و اختلاف اور مظاہرے کے حق سے محروم کر دیتا ہے، اُن کی زبانوں اور قلموں کو جائز قانونی تحدیدات کے علاوہ دوسری پابندیوں سے جکڑ دیتا ہے تو یہ ساری چیزیں اُمت پر سختی کے ذیل میں آتی ہیں - معاشرے کی فضا میں اگر اس کی پالیسیوں سے گھٹن پیدا ہو جاتی ہے، ہر طرف خوف مسلط ہو جاتا ہے - جرائم کا طوفان اُٹھنے لگتا ہے، عورتیں اور بچے اغوا ہونے لگتے ہیں - جانوں، مالوں اور عزتوں کو خطرات گھیر لیتے ہیں اور نظامِ احتساب و انصاف لوگوں کو تحفظ فراہم کر سکے نہیں دیتا، اگر ملتِ اسلامیہ کی قدریں بیرونی علوم اور ثقافت کے گھیرے میں آکر برباد ہونے لگتی ہیں، قوم کے بنیادی عقائد بیرونی نظریات کے حملوں سے خطرے میں پڑ جاتے ہیں، اور ہر شخص کے حقوق کا راستہ اگر رشوت و خیانت کے عفریت روک لیتے ہیں تو یہ ساری صورتیں ایسی ہیں کہ لوگ دکھ اور مشقت اور تنگی اور پریشانی سے دوچار ہوتے ہیں۔

چاہے یہ ناخوشگوار احوال براہ راست کسی فرد یا افراد کی قیادت نے خود پیدا کیے ہوں، چاہے اُن کے معتمد علیہا افسر اور کارکن پیدا کریں اور ان کا کوئی نوٹس نہ لیا جائے، ان سب کی ذمہ داری عنداللہ آخری صاحبِ اقتدار تک پہنچے گی۔

پس جب بھی کوئی مسلمان برسر اقتدار آئے یا قیادت کی بھاگ ڈور رہتا ہے، خدا کے رسولؐ کی اس وعید کو سامنے رکھے۔ جس کی رُو سے عوام کی ہر مشقت و تنگی کی ذمہ داری اُس کے سر آئے گی۔

ایک اہم اور جامع روایت اور ملاحظہ ہو۔

حضرت عوفؓ بن مالکؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُن کر یہ ارشاد آگے پہنچایا کہ "تمہارے امراء و قائدین میں سے بہترین وہ ہیں کہ تم اُن سے محبت کرتے ہو، اور وہ تم سے محبت کرتے ہیں، تم اُن کے لیے دُعائے رحمت کرتے ہو، وہ تمہارے لیے دُعائے رحمت کرتے ہیں۔ اور بدترین امراء قائدین وہ ہیں کہ تم اُن سے نفرت کرتے ہو، وہ تم سے نفرت کرتے ہیں، تم اُن پر لعن طعن کرتے ہو وہ تم پر لعن طعن کرتے ہیں۔

کتنا صاف اور واضح معیار ہے۔ یہاں تک کہ اگر کسی غیر اسلامی معاشرے میں بھی دیکھا جائے تو یہ اصول یکساں کارفرما ملے گا کہ جب تک حکومت اور عوام کے درمیان محبت و اعتماد کا تعلق قائم رہتا نظام وقت مستحکم ہوتا ہے، اور جب حکومت اور عوام کے درمیان نفرت کا دَور شروع ہوتا ہے تو نظام میں کمزوری آجاتی ہے۔ پہلی صورت میں دونوں طرف سے اچھی باتیں کہی جاتی ہیں، دوسری صورت میں فریقین باہم دگر بدگوئی کرتے ہیں۔ کوئی بھی شخص کسی معاشرے میں اگر امارت و قیادت کے لیے بدگوئی کا چلن دیکھے تو وہ سمجھ سکتا ہے کہ تخت میں تزلزل آرہا ہے۔

حکومت کرنے کا مستحق وہی شخص ہے جسے قوم سے محبت ہو اور اس پر اعتماد ہو اور جواب میں یہی چیزیں اس کے لیے قوم کے اندر پائی جائیں۔ بخلاف اس کے اگر کوئی شخص اپنی رعیت کی بُرائیاں کرتا ہے، عوام کے مختلف معتمد علیہ شرفا کو ناپسند کرتا ہے، وہ اگر قوم کی طرف سے ہمیشہ غلط اور ناروا امکانات کا اندیشہ رکھتا ہے اور دوسری طرف لازمی طور پر قوم بھی اس کے متعلق ایسا ہی محسوس کرے تو پھر حقیقی جوازِ حکومت ختم ہو جاتا ہے۔

دُنیا کے اکثر حکمران فضا میں خلل آجانے کے بعد اوّل تو اپنے آپ کو خود ہی مغالطے میں رکھتے ہیں۔ اگر کوئی خیر خواہ اُن کو صلاح و فلاح کی راہ بتاتا ہے تو اُسے مخالف یا نادان خیال کرتے ہیں۔ پھر اُن کے

قریبی حواری موالی جو اُن کو گھیرے میں لیے رہتے ہیں، انہیں یقین دلاتے رہتے ہیں کہ کرسی مضبوط ہے، چند سر پھروں یا احمقوں کی فضول حرکات سے اندیشہ کی کوئی بات نہیں۔ انہیں بآسانی دبایا کچلا جا سکتا ہے۔ پھر دبانے کچلنے کا کام شروع ہو جاتا ہے۔ حکومت جتنی کمزور ہوتی ہے اتنا ہی جبر کرتی ہے اور جتنا جبر کرتی ہے اتنی ہی زیادہ کمزور ہو جاتی ہے۔ اس چکر کے پورا ہونے پر سب کچھ یکایک تہ و بالا ہو جاتا ہے۔

دنیا کی تاریخ میں ایسے صدہا درسِ عبرت موجود ہیں۔ خود پاکستان میں قریب کی دو تین گذشتہ حکومتوں کا تجربہ بڑا تلخ رہا۔ مگر ہر صاحبِ اقتدار اسی مغالطے میں رہا کہ اسے ہلایا نہیں جا سکتا۔ پھر جب وقت آیا تو بھاگنے کا راستہ نہیں ملتا تھا۔

دانا لوگوں کو تاریخِ حال کی دیوار پر لکھے جانے والے انتباہات کو بغور پڑھتے رہنا چاہیے۔ اگر حالات میں بگاڑ آئے تو ہر ممکن تدبیر کرنی چاہیے کہ قوم سے محبت و اعتماد کا رشتہ جلد سے جلد بحال ہو جائے۔ اس میں اگر کامیابی نہ ہو تو پھر حکمت و بصیرت یہ ہے کہ تبدیلی کا راستہ ایسی خوبصورتی سے کھول دینا چاہیے کہ نئی قوت امن سے ایوانِ اقتدار میں داخل ہو اور جسے باہر جانا ہے وہ بھی کسی مصیبت میں پڑے بغیر ہنستا مسکراتا روانہ ہو جائے۔

حکمرانی کے لیے ضروری ہے کہ اپنے اور قوم کے درمیان محبت و نفرت اور اعتماد اور بے اعتمادی اور اتفاق اور بے اتفاقی کے پیمانے پر ہر وقت نظر رکھے جیسے ڈاکٹر اپنے مریض کا ٹمپریچر دن میں کئی کئی بار لیتا ہے اور پارے کی حرکت کے ساتھ ساتھ دواؤں میں تبدیلیاں کرتا ہے۔

قائد اور قوم کے [illegible] محبت و نفرت کا ذکر چلا تو یہ حقیقت بھی قابلِ توجہ ہے کہ ایسے لوگ تو بہت ہی نادان ہوتے ہیں جن سے کوئی بھی طبقہ خوش نہ رہے اور جن کی خیر خواہی کسی بھی حلقے میں باقی نہ رہے۔ تھوڑی سی حکمت و بصیرت ہو تو سیاسی کارپرداز اپنے اپنے معاشروں میں بعض متضاد و متصادم عناصر میں سے اس عنصر کو خصوصی اہمیت دیتے ہیں جو اُن کے نظریات اور نقشۂ کار میں ان سے ہم آہنگ ہو، خصوصاً کسی اسلامی معاشرے میں تو اس بات کا لحاظ رکھنا شاید لازم ہے کہ جو قوتیں نفاذِ اسلام

سکے۔ بے میدانِ عمل میں ہوں، انہیں مخالفِ اسلام یا سیکولر قوتوں سے الگ پہچانا جائے۔ کم سے کم اُن کے ساتھ اعتماد کا رشتہ مضبوط ہونا چاہیے۔ اُن کی مدد سے حالات کو سمجھنا چاہیے۔ اُن کی نشاندہی سے خاص خاص عوامی مسائل اور اُن کے متعلق مناسب تدبیروں کو اختیار کیا جائے۔ اُن کے مخالف عناصر کو سرکاری ادارات، پریس، ذرائع ابلاغ، تعلیم، محکمہ داخلہ، نظامت خارجہ، مالیات اور دفاع میں زور نہ پکڑنے دیا جائے کہ وہ مناصب و اختیارات کی آڑ میں حالات کو بھی آہستہ آہستہ خراب کرتے چلے جائیں اور صاحبِ قیادت کے ذہن میں بھی مغالطوں کے جالے تانتے رہیں۔

حالات اگر یہ شکل اختیار کر جائیں تو بگاڑ کی پرورش کرنے والے تو اپنا کام کرتے رہتے ہیں، مگر صلاح و فلاح کے داعی بے بس اور بے اثر ہوتے جاتے ہیں۔ اوّل الذکر تو پہلے ہی سے مخالف تھے اور اپنی مخالفت کو خوشامد کے خول میں چھپا کر کام کر رہے تھے، مؤخر الذکر کوئی مؤثر کام عوام میں کرنے کے قابل نہیں رہتے۔ نتیجہ یہ کہ تخریبی عناصر نفرت و بے اعتمادی کا روگ ساری قوم میں پھیلا کر بحران کا سروسامان مکمل کر لیتے ہیں۔

حضرت ابویعلیٰ معقل ابن یسار کی روایت میں بڑا خوفناک انتباہ ہے کہ جس شخص کو کسی رعیت پر اقتدار دیا گیا، اُسے اگر موت اس حال میں آئی کہ وہ اپنی رعیت کے حق میں خیانت کا رویہ اختیار کیے ہوئے تھا (وَھُوَ غَاشٌّ لِرَعِیَّتِہٖ)، تو ایسے شخص کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی جنت حرام کر دی۔

صاحبِ اقتدار کی طرف سے ایک خیانت تو مال کی خیانت ہو سکتی ہے، دوسری یہ کہ وہ اپنے اختیارات کو اپنے یا اپنے اقربا کے مفاد کے لیے اور ذاتی مخالفین سے انتقام کے لیے استعمال کرے۔ خیانت یہ بھی ہے کہ اپنی رعیت کے مناصب کو ایسے لوگوں کے حوالے کرے جنھیں رعیت ایمانی اور تہذیبی لحاظ سے اپنے لیے ضرر رساں سمجھتی ہو۔ خیانت یہ بھی ہے کہ قوانین اور پالیسیوں کا ظاہری پیرایہ تو ایسا ہو کہ لوگوں کو حسبِ مراد کچھ چیزیں دکھائی دیں، مگر اُن کے باطن میں غلط چیزیں لپیٹ لپاٹ کے رکھ دی گئی ہوں، یا اُن کا عملی نفاذ بُرے اثرات پیدا کرنے کا موجب ہو۔ اسی طرح آمد و صرفِ اموال اور ٹیکسوں کو پیش کرنے کا طریقہ بھی ایسا ہو سکتا ہے کہ بظاہر قوم کو بڑی آمدنی کی توقعات دلائی جائیں۔

مگر درحقیقت وہ ہندسوں کی جادوگری ہو، یا اُن کے سامنے بعض مصارف کو اہم بنا کر پیش کیا جائے۔ مگر درحقیقت وہ یا تو مسرفانہ ہوں یا کچھ مضر مقاصد کو پورا کرنے والے ہوں قوم کے سامنے دفاعی یا معاشی حالات یا خارجہ پالیسی کی ایسی تصویر رکھنا جو محض دلخوش کن ہو، یہ بھی خلافِ دیانت ہے۔ بعض امور میں رازداری رکھنا یا لوگوں کی حوصلہ شکنی سے پرہیز کرنا اور چیز ہے۔ ایسے ادارے بنانا جن سے عوام میں خاص طرح کی اُمیدیں پیدا ہوں مگر اُن کی حقیقت محض نمائشی (ORNAMENTAL) ہو یا لوگوں کی پسند کے موضوعات پہ ایسی کانفرنسیں جو محض ایک مشغلہ ہوں، یا قوم میں اچھی اچھی اُمیدیں پیدا کر کے پھر اُن کو پورا نہ کرنا، یہ سب کچھ درحقیقت عنداللہ سیاسی خیانت کی تعریف میں ہے۔

خیانت کے ان رویوں کا نتیجہ آخرت میں بالکل ہی تباہ کن ہے۔ ظاہر ہے کہ اربابِ اقتدار کی قوم سے خیانت اگر اللہ کو اس درجہ ناپسند ہے تو دُنیا میں بھی اس کا نتیجہ اچھا نہیں نکل سکتا۔

میرا جی چاہتا ہے کہ کسی ملک میں کوئی خدا پرست اور رسولِ آخر زمان کا پیرو ایسی کوئی روش اختیار نہ کرے جو روایت مندرجہ بالا کی زد میں آئے۔

ایسی روش اختیار کرنے کی نوبت آنے سے پہلے ترکِ اقتدار بہت مبارک ہے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اپنے چچازاد بھائیوں کے ساتھ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس مجلس کے بعد اس ارشادِ رسول کو بیان کیا کہ "ہم کسی ایسے شخص کو اس کام (یعنی حکومت) پر مقرر نہیں کرتے جو اس کا خواہش مند ہو یا اس کے لیے حرص رکھتا ہو۔"

حکومت کی خواہش و حرص رکھنے والے شخص سے یہ اندیشہ تو نمایاں طور پہ ہوتا ہے کہ وہ کسی عہدے پر آ کر اپنے لیے یا اپنے [illegible] کے لیے حصولِ مفاد کی کوشش کرے گا۔ اپنے ذاتی مخالفین کے خلاف اقتدار کی قوت استعمال کرے گا، لاکھوں انسانوں کی جانوں، مالوں اور عزتوں کی رکھوالی کا حق ادا کرنے میں کوتاہی کرے گا۔

دوسرا اندیشہ یہ ہے کہ خواہش و حرصِ اقتدار جس شخص میں کارفرما ہوگی وہ اپنی مسند کے ساتھ چمٹ کر رہ جائے گا۔ اگر ساری قوم کے اعتماد سے بھی وہ محروم ہو جائے تو اُسے چھوڑنے (باقی بر صفحہ ۴۸)

(گذشتہ سے پیوستہ)

تذکرۂ انبیاء

علیہم السلام

از

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مغفور

باب سوم ———————— حضرت نوح علیہ السلام

فصل ۶، ۷

فصل ۶

اصلاح ناپذیر قوم کے لیے حضرت نوحؑ کی بددعا

قوم کی اصلاح ناپذیری کے متعلق حضرت نوحؑ کی عرضداشت

قَالَ رَبِّ إِنِّي دَعَوْتُ قَوْمِي لَيْلًا وَنَهَارًا ۝ فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَائِي إِلَّا فِرَارًا ۝ وَإِنِّي كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوا أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِمْ وَاسْتَغْشَوْا ثِيَابَهُمْ وَأَصَرُّوا وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا ۝ ثُمَّ إِنِّي دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ۝ ثُمَّ إِنِّي أَعْلَنتُ لَهُمْ وَأَسْرَرْتُ لَهُمْ إِسْرَارًا ۝

اُس نے عرض کیا "اے رب میرے، میں نے اپنی قوم کے لوگوں کو شب و روز پکارا مگر میری پکار نے اُن کے فرار ہی میں اضافہ کیا۔ اور جب بھی میں نے ان کو بلایا تاکہ تو اُن کو معاف کر دے، انھوں نے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں اور اپنے کپڑوں سے منہ ڈھانک لیے اور اپنی روش پر اڑ گئے اور بڑا تکبر کیا۔ پھر میں نے ان کو ہانکے پکارے دعوت دی۔ پھر میں نے علانیہ بھی ان کو تبلیغ کی اور چپکے چپکے بھی سمجھایا۔

فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا ۝ يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُم مِّدْرَارًا ۝ وَيُمْدِدْكُم بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ وَيَجْعَل لَّكُمْ جَنَّاتٍ وَيَجْعَل لَّكُمْ أَنْهَارًا ۝ مَّا لَكُمْ لَا تَرْجُونَ لِلَّهِ وَقَارًا ۝ وَقَدْ خَلَقَكُمْ أَطْوَارًا ۝ (نوح - آیات ۵ تا ۱۴)

میں نے کہا اپنے رب سے معافی مانگو، بے شک وہ بڑا معاف کرنے والا ہے۔ وہ تم پر آسمان سے خوب بارشیں برسائے گا، تمھیں مال اور اولاد سے نوازے گا، تمھارے لیے باغ پیدا کرے گا اور تمھارے لیے نہریں جاری کر دے گا۔ تمھیں کیا ہو گیا ہے کہ اللہ کے لیے تم کسی وقار کی توقع نہیں رکھتے؟ حالانکہ اس نے طرح طرح سے تمھیں بنایا ہے۔

اُوپر حضرت نوح علیہ السلام کی وہ عرضداشت نقل کی گئی ہے جو اُنھوں نے اپنی رسالت کے آخری دور میں اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کی کہ جتنا جتنا میں ان کو پکارتا گیا اتنے ہی زیادہ وہ دور بھاگتے چلے گئے۔ اور اپنے کپڑوں سے منہ ڈھانک لیے۔ ایسا کرنے سے ان کی غرض یا تو یہ تھی کہ وہ حضرت نوحؑ کی بات سننا تو درکنار، آپ کی شکل بھی دیکھنا پسند نہ کرتے تھے، یا پھر یہ حرکت وہ اس لیے کرتے تھے کہ آپ کے سامنے سے گزرتے ہوئے منہ چھپا کر نکل جائیں اور اس کی نوبت ہی نہ آنے دیں کہ آپ اُنھیں پہچان کر اُن سے بات کرنے لگیں۔ انھوں نے حق کے آگے سر جھکا دینے اور خدا کے رسول کی نصیحت قبول کر لینے کو اپنی شان سے گری ہوئی بات سمجھا۔ مثال کے طور پر اگر کوئی بھلا آدمی کسی بگڑے ہوئے شخص کو نصیحت کرے اور جواب میں سر جھٹک کر اٹھ کھڑا ہو اور پاؤں پٹختا ہوا نکل جائے تو یہ تکبر کے ساتھ کلامِ نصیحت کو رد کرنا ہوگا۔

قرآن مجید میں مختلف مقامات پر اس طویل کشمکش کا ذکر کیا گیا ہے۔ جو حضرت نوحؑ کی دعوت اور ان کی قوم کے اصرار علی الکفر کے درمیان صدیوں بپا رہی۔ سورۂ عنکبوت میں فرمایا گیا ہے کہ اس کشمکش کا زمانہ ساڑھے نو سو برس تک ممتد رہا ہے۔ فَلَبِثَ فِيهِمْ أَلْفَ سَنَةٍ إِلَّا خَمْسِينَ عَامًا (آیت ۱۴) حضرت نوحؑ نے اس زمانہ میں پُشت در پُشت ان کے اجتماعی طرزِ عمل کو دیکھ کر نہ صرف یہ اندازہ فرما لیا کہ ان کے اندر اب قبولِ حق کی کوئی صلاحیت باقی نہیں رہی ہے۔ بلکہ یہ رائے بھی قائم کر لی کہ آئندہ ان کی نسلوں سے بھی نیک اور ایماندار آدمیوں کے اٹھنے کی توقع نہیں ہے۔

خود اللہ تعالیٰ نے بھی حضرت نوحؑ کی اس رائے کو درست قرار دیا۔ اور اپنے علمِ کامل و شامل کی بنا پر فرمایا: لَنْ يُؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ إِلَّا مَنْ قَدْ آمَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ (ھود۔ ۳۶) "تیری قوم میں سے جو ایمان لا چکے، بس وہ لا چکے۔ اب کوئی ایمان لانے والا نہیں ہے۔ لہٰذا اب ان کے کرتوتوں پر غم کھانا چھوڑ دے۔"

حضرت نوحؑ نے اپنی دعاؤں میں خدا سے درخواست کی کہ صرف یہی فیصلہ نہ کر دے کہ حق پر کون ہے۔ اور باطل پر کون، بلکہ وہ فیصلہ اس شکل میں نافذ کر کہ باطل پرست تباہ ہو جائیں۔ اور حق پرست بچا لیے جائیں گے۔ یہ الفاظ کہ "مجھے اور میرے مومن ساتھیوں کو بچا لے" خود بخود اپنے اندر یہ مفہوم رکھتے ہیں کہ باقی لوگوں پر عذاب نازل کر اور انھیں حرفِ غلط کی طرح مٹا دے۔

حضرت نوحؑ کی بددعا

قَالَ نُوحٌ رَّبِّ إِنَّهُمْ عَصَوْنِي
وَاتَّبَعُوا مَن لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهُ
وَوَلَدُهُ إِلَّا خَسَارًا ۝ وَمَكَرُوا مَكْرًا
كُبَّارًا ۝ وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ
آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا
سُوَاعًا ۝ وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ
وَنَسْرًا ۝ وَقَدْ أَضَلُّوا كَثِيرًا ۚ
وَلَا تَزِدِ الظَّالِمِينَ إِلَّا ضَلَالًا ۝

(نوح - آیات ۲۱ تا ۲۴)

نوحؑ نے کہا "میرے رب! انھوں نے میری بات رد کردی اور ان (رئیسوں) کی پیروی کی جو مال اور اولاد پاکر اور زیادہ نامراد ہو گئے ہیں۔ ان لوگوں نے بڑا بھاری مکر کا جال پھیلا رکھا ہے۔ انھوں نے کہا ہرگز نہ چھوڑو اپنے معبودوں کو، اور نہ چھوڑو وَدّ اور سواع کو اور نہ یغوث اور یعوق اور نسر کو۔ انھوں نے بہت لوگوں کو گمراہ کیا ہے، اور تو بھی ان ظالموں کو گمراہی کے سوا کسی چیز میں ترقی نہ دے۔"

آخری دعا جو نزولِ عذاب کے وقت مانگی

وَقَالَ نُوحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى
الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا ۝
إِنَّكَ إِن تَذَرْهُمْ يُضِلُّوا عِبَادَكَ
وَلَا يَلِدُوا إِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ۝

(نوح - آیات - ۲۶-۲۷)

اور نوحؑ نے کہا، "میرے رب، ان کافروں میں سے کوئی زمین پر بسنے والا نہ چھوڑ۔ اگر تُو نے ان کو چھوڑ دیا تو یہ تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور ان کی نسل سے جو بھی پیدا ہوگا بدکار اور سخت کافر ہی ہوگا۔"

حضرت نوح علیہ السلام کی یہ بددعا کسی بے صبری کی بنا پر نہ تھی بلکہ یہ اُس وقت اُن کی زبان سے نکلی تھی جب صدیوں تک تبلیغ کا حق ادا کرنے کے بعد وہ اپنی قوم سے پوری طرح مایوس ہو چکے تھے۔ ایسے ہی حالات میں حضرت موسیٰؑ نے بھی فرعون اور قومِ فرعون کے حق میں یہ بددعا کی تھی کہ "پروردگار! ان کے مال غارت کردے اور ان کے دلوں پر ایسی مُہر کردے کہ ایمان نہ لائیں جب تک دردناک عذاب نہ دیکھ لیں" اور اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا تھا:

"تمہاری دعا قبول کی گئی۔" (یونس، آیات ۸۸-۸۹) حضرت موسیٰؑ کی طرح حضرت نوحؑ کی یہ بددعا عین مشیئتِ الٰہی کے مطابق تھی۔ چنانچہ سورۂ ہود میں ارشاد ہے۔ وَأُوحِيَ إِلَىٰ نُوحٍ أَنَّهُ لَن يُؤْمِنَ مِن قَوْمِكَ

اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ۔ " اور نوح پر وحی کی گئی کہ تیری قوم میں سے جو لوگ ایمان لا چکے ہیں اُن کے سوا اب اور کوئی ایمان لانے والا نہیں ہے، اب ان کے کرتوتوں پر غم کھانا چھوڑ دے۔

(ہود۔ ۳۶)

وَلَقَدْ نَادٰىنَا نُوْحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِيْبُوْنَ (الصّٰفّٰت۔ آیت ۷۵)

ہم کو اس سے پہلے نوح نے پکارا تھا تو دیکھو ہم کیسے اچھے جواب دینے والے ہیں۔

اس سے مراد وہ فریاد ہے جو حضرت نوح نے مدتہائے دراز تک اپنی قوم کو دعوتِ دینِ حق دینے کے بعد آخرکار مایوس ہو کر اللہ سے کی تھی۔ اس فریاد کے الفاظ سورۂ قمر میں اس طرح آئے ہیں:

فَدَعَا رَبَّهٗۤ اَنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ (القمر۔ آیت ۱۰)

"اس نے اپنے رب کو پکارا کہ میں مغلوب ہو گیا ہوں اب تو میری مدد کو پہنچ"

اپنے والدین اور اہلِ ایمان کے لیے نوح کی دُعا

رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَیْتِیَ مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ط

(نوح۔ آیت ۲۸)

میرے رب، مجھے اور میرے والدین کو اور ہر اس شخص کو جو میرے گھر میں مومن کی حیثیت سے داخل ہوا ہے، اور سب مومن مردوں اور عورتوں کو معاف فرما دے۔

وَنَجِّنِیْ وَمَنْ مَّعِیَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ (الشعراء۔ آیت ۱۱۸)

"اور مجھے اور جو مومن میرے ساتھ ہیں ان کو نجات دے"

فصل ،

طوفان بطورِ عذاب

طوفان کے متعلق قرآن کا بیان

حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ (ھود۔ آیت ۴۰)	یہاں تک کہ ہمارا حکم آگیا اور وہ تنور ابل پڑا۔
فَفَتَحْنَآ اَبْوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنْهَمِرٍ ۔ وَّفَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُيُوْنًا فَالْتَقَى الْمَآءُ عَلٰٓى اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ (القمر۔ آیات ۱۱-۱۲)	تب ہم نے موسلا دھار بارش سے آسمان کے دروازے کھول دیے اور زمین کو پھاڑ کر چشموں میں تبدیل کر دیا اور یہ سارا پانی اس کام کو پورا کرنے کے لیے مل گیا جو مقدر ہو چکا تھا۔

ایک تنور سے طوفان کی ابتداء

وَفَارَ التَّنُّوْرُ کے متعلق مفسرین کے مختلف اقوال ہیں۔ مگر ہمارے نزدیک صحیح وہی ہے جو قرآن کے صریح الفاظ سے سمجھ میں آتا ہے کہ طوفان کی ابتدا ایک خاص تنور سے ہوئی جس کے نیچے سے پانی کا چشمہ پھوٹ پڑا، پھر ایک طرف آسمان سے موسلا دھار بارش ہوگئی اور دوسری طرف زمین میں جگہ جگہ سے چشمے پھوٹنے لگے۔ یہاں صرف تنور کے ابل پڑنے کا ذکر ہے اور آگے چل کر بارش کی طرف بھی اشارہ ہے۔ مگر سورۂ قمر میں اس کی تفصیل دی گئی کہ فَفَتَحْنَآ اَبْوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنْهَمِرٍ وَّفَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُيُوْنًا فَالْتَقَى الْمَآءُ عَلٰٓى اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ "ہم نے آسمان کے دروازے کھول دیے جن سے لگاتار بارش برسنے لگی اور زمین کو پھاڑ دیا کہ ہر طرف چشمے ہی چشمے پھوٹ نکلے اور یہ دونوں طرح کے پانی اس کام کو پورا کرنے کے لیے مل گئے جو مقدر کر دیا گیا تھا۔"

نیز لفظ "تنور" پر الف لام داخل کرنے کی وجہ یہ سمجھ میں آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک خاص تنور کو اس

کام کی ابتداء کے لیے نامزد فرما دیا تھا جو اشارہ پاتے ہی ٹھیک اپنے وقت پر اُبل پڑا اور بعد میں طوفان والے تنور کی حیثیت سے معروف ہوگیا۔

بعض لوگوں نے تنور سے مراد زمین لی ہے، بعض نے زمین کا بلند تر حصہ مراد لیا ہے، بعض کہتے ہیں کہ فَارَ التَّنُّوْرُ کا مطلب طلوعِ فجر ہے اور بعض کی رائے میں یہ حمی الوطیس کی طرح ایک استعارہ ہے "ہنگامہ گرم ہوجانے" کے معنی میں۔ لیکن کوئی معقول وجہ نظر نہیں آتی کہ قرآن کے الفاظ کو بغیر کسی قرینے کے مجازی معنوں میں لیا جائے جبکہ ظاہری مفہوم لینے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ یہ الفاظ پڑھ کر ابتداءً جو مفہوم ذہن میں آتا ہے وہ یہی ہے کہ کوئی خاص تنور پہلے سے نامزد کر دیا گیا تھا کہ طوفان کا آغاز اس کے نیچے سے پانی اُبلنے پر ہوگا۔ دوسرے کوئی معنی سوچنے کی ضرورت اس وقت پیش آتی ہے جب کہ آدمی یہ ماننے کو تیار نہ ہو کہ اتنا بڑا طوفان ایک تنور کے نیچے سے پانی اُبل پڑنے پر شروع ہوا ہوگا۔ مگر خدا کے معاملات عجیب ہیں، وہ جب کسی قوم کی شامت لاتا ہے تو ایسے رُخ سے لاتا ہے کہ جدھر اس کا وہم و گمان بھی نہیں جا سکتا۔

کیا یہ طوفان عالمگیر تھا؟

یہ طوفان جس کا ذکر یہاں کیا گیا ہے، عالمگیر طوفان تھا۔ یا اس خاص علاقے میں آیا تھا جہاں حضرت نوحؑ کی قوم آباد تھی؟ یہ ایک ایسا سوال ہے جس کا فیصلہ آج تک نہیں ہوا۔ اسرائیلی روایات کی بنا پر عام خیال یہی ہے کہ یہ طوفان تمام روئے زمین پر آیا تھا (پیدائش ۷ : ۱۸-۲۴) مگر قرآن میں یہ بات کہیں نہیں کہی گئی ہے۔ قرآن کے اشارات سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ بعد کی انسانی نسلیں انہی لوگوں کی اولاد سے ہیں جو طوفانِ نوحؑ سے بچا لیے گئے تھے، لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ طوفان تمام روئے زمین پر آیا ہو، کیونکہ یہ بات اس طرح بھی صحیح ہوسکتی ہے کہ اس وقت تک بنی آدم کی آبادی اسی خطہ تک محدود رہی ہو جہاں طوفان آیا تھا اور طوفان کے بعد جو نسلیں پیدا ہوئی ہوں، وہ بتدریج تمام دنیا میں پھیل گئی ہوں۔ اس نظریہ کی تائید دو چیزوں سے ہوتی ہے۔ ایک یہ کہ دجلہ و فرات کی سرزمین میں تو ایک زبردست طوفان کا ثبوت تاریخی روایات سے، آثار قدیمہ سے اور طبقات الارض سے ملتا ہے، لیکن روئے زمین کے تمام خطوں میں ایسا کوئی ثبوت نہیں ملتا جس سے کسی عالمگیر طوفان کا یقین کیا جا سکے۔ دوسرے یہ کہ روئے زمین کی اکثر و بیشتر قوموں میں ایک طوفانِ عظیم کی روایات قدیم زمانے سے مشہور ہیں، حتیٰ کہ آسٹریلیا، امریکہ، نیوگنی جیسے دور دراز علاقوں کی پرانی روایات میں بھی اس کا ذکر ملتا ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ کسی وقت ان سب

قوموں کے آباؤ اجداد ایک ہی خطہ میں آباد ہوں گے، جہاں یہ طوفان آیا تھا۔ اور جب جب ان کی نسلیں زمین کے مختلف حصوں میں پھیلیں تو یہ روایات ان کے ساتھ گئیں۔

ظالموں کے لیے کیفرِ کردار

فَاَخَذَهُمُ الطُّوْفَانُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝ (العنکبوت۔ آیت ۱۴)

آخر کار ان لوگوں کو طوفان نے آگھیرا۔ اِس حال میں کہ وہ ظالم تھے۔

طوفان ان پر اس حالت میں آیا کہ وہ اپنے ظلم پر قائم تھے۔ دوسرے الفاظ میں اگر وہ طوفان آنے سے پہلے اپنے ظلم سے باز آجاتے تو اللہ تعالیٰ ان پر یہ عذاب نہ بھیجتا۔

قومِ نوح پر عذاب کی کیفیت

مِمَّا خَطِيْٓـٰٔتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا ۝ (نوح۔ آیت ۲۵)

اپنی خطاؤں کی بنا پر ہی وہ غرق کیے گئے اور آگ میں جھونک دیے گئے۔

غرق ہونے پر ان کا قصہ تمام نہیں ہو گیا، بلکہ مرنے کے بعد فوراً ہی ان کی روحیں آگ کے عذاب میں مبتلا کردی گئیں۔ یہ بعینہٖ وہی معاملہ ہے جو فرعون اور اس کی قوم کے ساتھ کیا گیا جیسا کہ سورۂ مومن آیات ۴۵، ۴۶ میں بیان کیا گیا ہے۔

اہلِ ایمان کی نجات

وَلَقَدْ نَادٰىنَا نُوْحٌ[1] فَلَنِعْمَ الْمُجِيْبُوْنَ ۝ وَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ[2] ۝ وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَ ۝ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِى الْاٰخِرِيْنَ ۝ سَلٰمٌ عَلٰى نُوْحٍ فِى الْعٰلَمِيْنَ ۝ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ۝ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

ہم کو اس سے پہلے نوحؑ نے پکارا تھا، تو دیکھو ہم کیسے اچھے جواب دینے والے تھے۔ ہم نے اُس کو اور اس کے گھر والوں کو کربِ عظیم سے بچا لیا، اور اسی کی نسل کو باقی رکھا، اور بعد کی نسلوں میں اس کی تعریف و توصیف چھوڑ دی۔ سلام ہے نوحؑ پر تمام دنیا والوں میں۔ ہم نیکی کرنے والوں کو ایسی ہی جزا دیا کرتے ہیں۔

---

[1] حضرت نوحؑ نے عذاب سے نجات کے لیے اپنے لیے، اپنے والدین اور لواحقین کے لیے اور تمام اہلِ ایمان کے لیے جو دعا کی وہ سورہ نوح آیت ۲۸ میں ہے (مرتبین) [2] یہی الفاظ سورۂ انبیاء کی آیت ۷۶ میں وارد ہے۔ (مرتبین)

ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ۝	درحقیقت وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھا
(الصّٰفّٰت۔ آیات ۷۵ تا ۸۲)	پھر دوسرے گروہ کو ہم نے غرق کر دیا۔

کربِ عظیم سے مراد وہ شدید اذیت ہے جو ایک بدکردار ظالم قوم کی مسلسل مخالفت سے اُن کو پہنچ رہی تھی۔ اس میں ایک لطیف اشارہ اس امر کی طرف بھی ہے کہ جس طرح نوحؑ اور ان کے ساتھیوں کو اس کربِ عظیم سے بچا یا گیا تھا، اسی طرح آخر کار ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کو اس کربِ عظیم سے بچا لیں گے۔ جس میں اہلِ مکہ نے ان کو مبتلا کر رکھا ہے۔

طوفان کو تھم جانے کا فرمان

وَقِيْلَ يٰۤاَرْضُ ابْلَعِيْ مَآءَكِ وَ	حکم ہوا "اے زمین! اپنا سارا پانی نگل جا اور
يٰسَمَآءُ اَقْلِعِيْ وَغِيْضَ الْمَآءُ وَقُضِيَ	اے آسمان رُک جا"۔ چنانچہ پانی زمین میں بیٹھ
الْاَمْرُ (ھود۔ آیت ۴۴)	گیا۔ فیصلہ چکا دیا گیا۔

اضافی نوٹ از مرتبین:۔

اس آیت کا اندازِ خطاب گواہ ہے کہ کائنات کا فرمانروا پانی کی طوفانی قوّت کو حکم دے رہا ہے کہ بس اب جو کام مطلوب تھا، ہو چکا، اب تھم جا! قرآن میں اس طرح کے متعدد مقامات ایسے ہیں جہاں کا اندازِ کلام گواہ ہے کہ یہ خدا کا کلام ہے۔

پہلے پانی کو حکم دیا گیا تو ایک طرف سے زمین سے اُبل پڑا اور دوسری طرف آسمان سے برسنے لگا، یہاں تک کہ طوفان نے بلند و پست کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اب اسے دوسرا حکم ملا تو وہ فوراً سمٹنے لگا اور اس کی لہروں کا زور ٹوٹنے لگا، یہاں تک کہ زمین پانی سے خالی ہو کر نو آبادکاری کے لیے تیار ہو گئی۔

یہ آیت منجملہ ان آیات کے ہے جن سے یہ حقیقت اہلِ نظر پر فاش ہوتی ہے کہ کائنات کی طبعی قوتیں اور عناصر کی باگ ڈور اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور یہ قوتیں اور عناصر جو عام حالات میں انسان کی خدمت میں مصروف ہیں، ان کو جونہی مالک الملک کا اشارہ ملتا ہے، وجہِ عذاب اور باعثِ ہلاکت بن جاتے ہیں۔ تباہ شدہ اقوامِ ماضیہ کی ہلاکت کا ذریعہ ہمیشہ طبعی عوامل ہی کو بنایا گیا ہے۔ طبعی حوادث کا رشتہ کسی نامعلوم اندھی قوت یا "اتفاق" سے جوڑنے والوں کی کوتاہ نظری ہے کہ وہ خدا کے حکیمانہ تصرّف کا راز نہیں پا سکے۔

صاحبِ مشکوٰۃ

امام ولی الدین خطیب تبریزی

از جناب عبدالرشید عراقی صاحب

کتبِ حدیث میں مشکوٰۃ شریف بہت مشہور کتاب ہے اور یہ ہر عربی مدرسہ کے نصاب میں داخل ہے۔ مگر بہت کم لوگ اس کے مصنّف کے حالات سے واقف ہیں۔ ذیل میں صاحبِ مشکوٰۃ کے مختصر حالات درج کئے جاتے ہیں۔

نام و نسب محمد نام، ابو عبداللہ کنیت، ولی الدین لقب۔ لیکن خطیب تبریزی کے نام سے مشہور ہوئے۔

خاندان و وطن آپ کا مولد و مسکن آذربائیجان کا مشہور شہر تبریز ہے جس کی نسبت سے تبریزی کہلاتے تھے۔ امیر المومنین خلیفہ ثانی حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے نسبی تعلق تھا جس کی وجہ عمری بھی کہلاتے تھے۔

اساتذہ ان کے اساتذہ میں صرف ایک شیخ علامہ حسین بن محمد بن عبداللہ طیبیؒ کا نام ملتا ہے جن کے ایماء اور مشورے سے آپ نے مشکوٰۃ المصابیح مرتب کی۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

"طیبی نے اپنے ایک شاگرد کو امام بغوی کی مصابیح کو اس نہج پر مختصر کرنے کا حکم دیا اور اس کا نام مشکوٰۃ رکھا اور اس کی ایک مبسوط شرح لکھی۔"[1]

تلامذہ جس طرح اساتذہ میں آپ کے صرف ایک شیخ کا نام ملتا ہے۔ اسی طرح تلامذہ میں بھی آپ

[1] الدرر الکامنہ ج ۲ ۔ ص ۶۱

کے صرف ایک شاگرد کا نام ملتا ہے۔ اور وہ ہیں امام الدین علی بن مبارک۔ جیسا کہ امام ولی اللہ دہلوی (م ۱۱۷۶ھ) اور شاہ عبدالعزیز دہلوی (م ۱۲۳۹ھ) نے اس کی تصریح کی ہے۔[1]

علم و فضل | علم و فضل میں ایک ممتاز مقام کے حامل تھے۔ اور اس پر ان کی تصانیف شاہد ہیں۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ "وہ علم و فضل اور حقائق و دقائق کا بحر بیکران تھے"۔[2]

زہد و ورع | زہد و ورع میں بھی اپنا جواب نہیں رکھتے تھے اور اس کا اعتراف ان کے شیخ علامہ طیبی نے بھی کیا ہے۔ وہ ان کو بقیۃ الاولیاء اور قطب الصلحاء کہا کرتے تھے۔ اور ملا علی قاری نے ان کو "تقی نقی" لکھا ہے۔[3]

فقہی مسلک | فقہی لحاظ سے وہ شافعی المذہب تھے۔[4]

وفات | جس طرح امام خطیب کی ولادت کا سن معلوم نہیں ہو سکا، اسی طرح سن وفات کا بھی پتہ نہیں چل سکا۔ مگر یہ مسلم ہے کہ آپ کی وفات ۷۳۷ھ کے بعد کی ہے۔ اس لیے کہ مشکوٰۃ کی ترتیب و تالیف سے آپ ۷۳۷ھ میں فارغ ہوئے تھے۔[5]

تصنیفات | ہو سکتا ہے کہ آپ نے کئی ایک کتابیں لکھی ہوں، لیکن آپ کی سب سے مشہور کتاب "مشکوٰۃ المصابیح" ہے۔

"مشکوٰۃ المصابیح" حدیث کی بہت اہم اور مقبول کتاب ہے۔ صحاح ستہ اور دوسری مستند کتب حدیث کا مجموعہ ہونے کی بنا پر خود بھی بہت معتبر سمجھی جاتی ہے۔ خطیب نے اس کی ترتیب اور تالیف میں امام بغوی کی مشہور کتاب "مصابیح السنۃ" پر اعتماد کیا ہے۔ مشکوٰۃ المصابیح دراصل امام بغوی کی مصابیح السنۃ کے لیے تکملہ اور ذیل کی حیثیت رکھتی ہے۔ خطیب تبریزی نے اس کو اپنے استاد علامہ طیبی کے ایماء و مشورہ سے مرتب کیا ہے۔ جیسا کہ علامہ طیبی فرماتے ہیں!

"مجھ میں اور میرے دینی بھائی محمد بن عبداللہ خطیب میں ایک مجموعہ حدیث مرتب کرنے

---

[1] اتحاف النبیہ - ص ۷۹ و عجالہ نافعہ - ص ۶۳
[2] مقدمہ مشکوٰۃ از ابو بکر شادیس [3] ایضاً
[4] تذکرۃ المحدثین ج ۲ - ص ۴۵۳ [5] ایضاً

کا مشورہ ہوا اور طے پایا کہ مصابیح کا تکملہ لکھا جائے اور اس کو از سر نو مرتب کیا جائے - چنانچہ انہوں نے میری خواہش کے مطابق پوری محنت اور جانفشانی سے یہ مجموعہ مرتب کیا[1]۔

گو مشکوٰۃ المصابیح مصابیح السنہ کا تکملہ ہے تاہم اس میں کہیں کہیں حذف و اضافہ سے کام لیا گیا ہے - اور اس سے ان دونوں کتابوں میں خاصا فرق آگیا ہے - احادیث کی تعداد بھی مشکوٰۃ المصابیح میں زیادہ ہوگئی ہے - مولانا ضیاء الدین اصلاحی لکھتے ہیں :-

"امام بغوی نے اختصار کے خیال سے سندیں حذف کر دی تھیں اور کتابوں کے حوالے بھی نہیں دیئے تھے - خطیب تبریزی نے حوالے بھی دیے ہیں اور ان صحابہؓ کے نام بھی تحریر کئے ہیں، جن سے حدیثیں مروی ہیں - اس وجہ سے ہر حدیث کا ماخذ بھی معلوم ہوجاتا ہے اور اس کی صحت و قوت اور درجہ و مرتبہ کا بھی پتہ چل جاتا ہے"[2]

اور خود خطیب اس پر یوں روشنی ڈالتے ہیں :-

"امام ابو محمد حسین بن مسعود فراء البغوی کی کتاب المصابیح اپنے موضوع پر بہت جامع کتاب ہے - اس میں مختلف و متفرق حدیثوں کو نہایت خوبی سے ضبط کیا گیا ہے، مگر اختصار کی بنا پر سندیں حذف کر دی گئی ہیں - یہی وجہ ہے کہ کچھ لوگوں نے اس پر اعتراض کیا ہے - حالانکہ بغوی جیسے مستند شخص کا نقل کرنا ہی سند کی حیثیت رکھتا ہے"[3]

۲ --- امام بغوی نے مصابیح السنہ کی دو فصلیں قائم کی تھیں - لیکن خطیب نے ترتیب بدل دی ہے - آپ نے دو کے بجائے تین فصلیں قائم کی ہیں - پہلی فصل میں امام بغوی کی طرح صحیحین کی روائتیں درج کی ہیں، دوسری فصل میں ان ائمہ کے علاوہ جن سے بغوی نے احادیث نقل کی ہیں ———— بعض دوسرے ائمہ فن کی کتابوں کی حدیثیں بھی شامل کر دی گئی ہیں - اور تیسری فصل میں جو بغوی کے یہاں نہیں ہے، مرفوع حدیثوں کے علاوہ ابواب کی مناسبت سے آثار صحابہ و تابعین نقل کر کے راویوں کے نام اور کتابوں کے حوالے دیے ہیں - جیسا کہ امام خطیب لکھتے ہیں -

---

[1] کشف الظنون - ج ۲ - ص ۱۴۳ - [2] تذکرۃ المحدثین ج ۲ - ص ۲۵۴ -

[3] دیباچہ مشکوٰۃ -

"ترتیب وتبویب میں صاحب مصابیح کی پیروی کی گئی ہے۔البتہ ہر باب کو عموماً تین فصلوں میں منقسم کیا گیا ہے۔ پہلی فصل میں شیخین یا اُن میں سے کسی ایک کی حدیثیں جمع کی گئی ہیں۔ اور دوسری فصل میں ائمہ صحاح (ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اور دارمی) کے علاوہ جن جن سے شیخ نے روائتیں نقل کی ہیں۔امام مالک، شافعی، احمد، دارقطنی، بیہقی، اور رزین ابن معاویہ وغیرہ کے مرویات بھی شامل کئے گئے ہیں۔ تیسری فصل میں مقررہ شرطوں کے مطابق اس کے ابواب کے ہم معنی سلف وخلف سے منقول مناسب الحاقات مدرج ہیں۔"[1]

تیسرا فرق مصابیح السنۃ اور مشکوٰۃ المصابیح میں مولانا ضیاء الدین اصلاحی نے یوں واضح کیا ہے۔

"صاحب المصابیح نے جن حدیثوں کی غرابت یا ضعف و نکارت کی جانب صرف اشارہ کیا ہے، صاحب مشکوٰۃ نے ان کی غرابت یا ضعف و نکارت کے وجوہ بھی بتا دیئے ہیں اور جن کے بارے میں انہوں نے سکوت اختیار کیا ہے، ان کے بارے میں صاحبِ مشکوٰۃ نے بھی سکوت سے کام لیا ہے۔ البتہ بعض جگہ کسی خاص مصلحت وضرورت کے تحت بعض وضاحتیں کی ہیں جیسے ان روایتوں کے سلسلہ میں جن پر کوئی طعن کیا گیا ہے۔ اور جہاں امام بغوی نے اُن کے بارے میں سکوت اختیار کیا ہے تو اُن کے سکوت کے باوجود امام تبریزی نے ان کی اصل حقیقت واضح کر کے یہ بتایا ہے کہ وہ حسن ہیں یا ضعیف[2]"

اور چوتھا فرق مصابیح السنۃ اور مشکوٰۃ المصابیح میں یہ ہے کہ جن حدیثوں کو صاحب مصابیح نے مکمل نہیں کیا ہے۔ امام تبریزی نے کسی خاص مصلحت کے تحت ابواب کی مناسبت سے ان کو مکمل درج کر دیا ہے۔

حذف واختصار اس طور پر کیا گیا ہے کہ اولاً مصابیح کی مکرر حدیثوں کو مشکوٰۃ میں تکرار کی وجہ سے نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ ثانیاً مفصل اور طویل روایتوں کی غیر ضروری طوالت وتفصیل کو حذف کر کے مختصر روائتیں نقل کی گئی ہیں اور ثالثاً امام بغوی نے جن طویل حدیثوں کو کسی ایک ہی باب میں تحریر کیا ہے۔ امام تبریزی نے ان کے کچھ حصے تو اسی باب میں نقل کئے ہیں، مگر دوسرے حصوں کو کسی دوسرے

---

[1] دیباچہ مشکوٰۃ [2] تذکرۃ المحدثین ج ۲ ص ۲۵۶

مناسب باب میں نقل کیا ہے۔[1]

استدراک مشکوٰۃ المصابیح میں کہیں کہیں امام بغوی پر استدراک بھی کیا گیا ہے۔ جیسا کہ امام تبریزی فرماتے ہیں:

"اگر تم کو مشکوٰۃ کی پہلی اور دوسری فصلوں میں اصل کتاب (مصابیح) سے کوئی فرق و اختلاف نظر آئے، مثلاً پہلی فصل میں شیخین کے علاوہ دیگر ائمہ حدیث کی، یا دوسری فصل میں شیخین کی روائتیں درج ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ میں نے خود بھی تحقیق و کاوش کی ہے اور حمیدی کی الجمع بین الصحیحین اور ابن اثیر کی جامع الاصول کا تتبع کر کے صحیحین کے متن پر اعتماد کیا ہے۔"[2]

اور دوسری جگہ اپنی تلاش و تفحص کا اس طرح ذکر کرتے ہیں:۔

"میں نے حدیثوں کی تلاش و جستجو اور تحقیق و تفتیش میں اپنے امکان بھر پوری جد و جہد کی۔"[3]

شروح و حواشی مشکوٰۃ المصابیح کی اہمیت و مقبولیت کا یہ بھی ثبوت ہے کہ محدثین اور علمائے فن نے اس کے ساتھ بڑا اعتنا کیا ہے اور اس کی متعدد شرحیں، تعلیقات اور حواشی لکھے گئے ہیں۔ فارسی، اُردو، انگریزی اور ترکی زبانوں میں اس کے ترجمے کیے گئے۔ شروح اور حواشی کے نام یہ ہیں۔

۱۔ الاکمال فی اسماء الرجال یہ رسالہ خود امام خطیب تبریزی کی تصنیف ہے۔ اس میں انہوں نے مشکوٰۃ کے رجال پر گفتگو کی ہے۔ امام صاحب نے جب یہ رسالہ لکھ کر اپنے استاد کی خدمت میں پیش کیا تو انہوں نے اس کی بہت تعریف کی۔ یہ رسالہ چھپ چکا ہے۔

۲۔ الکاشف عن حقائق السنن یہ طیبی استاد امام خطیب تبریزی کی تصنیف ہے۔ امام تبریزی کی تصنیف ہے۔ امام تبریزی کی اس سے بڑھ کر اور کیا خوش نصیبی ہو سکتی ہے کہ ان کی تصنیف کی شرح

---

[1] تذکرۃ المحدثین ج ۲ - ص ۴۵۶

[2] دیباچہ مشکوٰۃ ص۳

اُن کے استاد نے لکھی۔

چنانچہ علامہ طیبی فرماتے ہیں:

"جب وہ مشکوٰۃ کی تالیف مکمل کر چکے تو میں اس کی شرح لکھنے کے لیے کمربستہ ہوا۔ اس میں مشکوٰۃ کے مشکل مباحث اور غریب الفاظ کو حل کیا گیا ہے اور نکات و لطائف مستنبط کئے گئے ہیں۔ نیز نحوی مشکلات اور معانی و بیان کے مسائل سے بھی بقدر ضرورت تعرض کیا گیا ہے۔ ان مباحث کی تحقیق کے لیے جن ائمۂ فن کی کتابوں کا تتبع کیا گیا ہے ان کے حوالے بھی دے دیئے گئے ہیں۔ حوالے کے لیے مخصوص علامتیں اور نشان مقرر کیے گئے ہیں۔ جہاں حوالے نہیں دیئے گئے ہیں۔ وہ میرے اپنے نتائج فکر ہیں۔ جو لوگ اس کو انصاف کی نظر سے دیکھیں گے، وہ اس کو نہایت مختصر، جامع اور محققانہ کتاب پائیں گے"۔

شروع میں حدیث کے اصول و اصطلاحات اور اس کے اقسام و انواع نیز جرح و تعدیل پر مفید بحث کی گئی ہے[۱]۔

یہ مشکوٰۃ کی اہم اور مفید شرح ہے۔ اور شرح طیبی کے نام سے معروف ہے۔ ابھی تک چھپی نہیں ہے۔

۳۔ حاشیہ سید شریف | یہ حاشیہ علامہ سید شریف علی بن محمد بن علی جرجانی (م ۸۱۶ھ) کا تصنیف کردہ ہے اور حاشیہ سید شریف کے نام سے مشہور ہے۔ یہ حاشیہ ابھی تک چھپا نہیں۔ اس کا ایک قلمی نسخہ خدا بخش خاں لائبریری پٹنہ میں موجود ہے[۲]۔

۴۔ ہدایۃ الرواۃ الی تخریج المصابیح والمشکوٰۃ | یہ حافظ ابن حجر عسقلانی (م ۸۵۲ھ) کی تصنیف ہے۔ اس میں مصابیح و مشکوٰۃ دونوں کی حدیثوں کی تخریج کی گئی ہے[۳]۔

---

[۱] کشف الظنون ج ۲ - ص ۴۴۴ بحوالہ تذکرۃ المحدثین ج ۲ - ص ۴۵۸

[۲] تذکرۃ المحدثین ج ۲ - ص ۴۵۸

[۳] ایضاً

۵ - منہاج المشکوٰۃ | یہ شرح عبدالعزیز بن محمد بن عبدالعزیز امیری (م ۸۹۵ھ) کی تصنیف ہے[۱]

۶ - فتح الالٰہ فی شرح المشکوٰۃ | یہ علامہ شہاب الدین احمد بن محمد بن محمد بن علی بن حجر ہیثمی شافعی (م ۹۷۴ھ) کی شرح ہے[۲]

۷ - مرقاۃ المفاتیح | یہ مشہور شرح نامور حنفی عالم شیخ نورالدین علی بن سلطان بن محمد المعروف ملا علی قاری (م ۱۰۱۴ھ) کی شرح ہے۔ یہ شرح چار جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس شرح میں پہلے کی تمام شرحوں اور حواشی کے مباحث کے علاوہ دوسری مفید اور ضروری معلومات تحریر کی گئی ہیں — اس حیثیت سے اس کو بہت جامع اور اہم خیال کیا جاتا ہے۔ ملا علی قاری اس شرح کے متعلق خود تحریر فرماتے ہیں:-

"چونکہ مشکوٰۃ المصابیح احادیثِ نبوی کی ایک جامع کتاب ہے، اس لیے مجھ کو اس کے مطالعہ کا شوق ہوا۔ اور میں نے حرم کے شیوخ سے اس کو پڑھا، مگر ان لوگوں کے پاس کوئی صحیح اور مستند نسخہ نہ تھا اور شارحین نے محض بعض لفظوں کو ضبط کیا تھا۔ اس لیے میں نے مختلف نسخوں سے مقابلہ و تصحیح کر کے ایک صحیح نسخہ تیار کیا۔ پھر ایک لطیف شرح لکھی۔ اس میں الفاظ کو بھی ضبط کیا گیا ہے اور روایتوں کی فنی بحث و تحقیق کر کے ان کے معانی و مطالب کی تشریح بھی کی گئی ہے"[۳]

۸ - انوار المشکوٰۃ | مولانا ضیاء الدین اصلاحی اس شرح کے بارے میں لکھتے ہیں:-

"یہ ملا علی قاری کے بعد کسی فاضل کی تصنیف ہے۔ اس میں مشکوٰۃ کی تین فصلوں پر ایک اور فصل کا اضافہ کر کے چار فصلیں قائم کی گئی ہیں۔ چوتھی فصل میں ان سات ائمہ حمیدی، ابن کثیر، صنعانی، تسنمی، اقلیشی، نووی اور رزین کی کتابوں سے ایسی روایتیں درج کی گئی ہیں جو مجتہدین فی المذہب کی مستدل بہا ہیں۔ اور اس طرح یہ مشکوٰۃ

---

۱ تذکرۃ المحدثین ج ۲ ص ۴۵۹ ۲ ایضاً ص ۴۵۹

۳ فہرست کتب خانہ خدیویہ مصر ج ۱ - ص ۳۱۶ بحوالہ تذکرۃ المحدثین ج ۲ ص ۴۵۹

اور مرقاۃ دونوں کی شرح ہے۔[1]

۹ - لمعات التنقیح فی شرح مشکوٰۃ المصابیح | یہ عربی زبان میں مشکوٰۃ کی شرح ہے۔ ہندوستان کے نامور محدث حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی (۱۰۵۲ھ) کی تصنیف کردہ ہے۔ یہ شرح دو جلدوں پر مشتمل ہے۔ شیخ محدث نے فارسی میں بھی "اشعۃ اللمعات" کے نام سے شرح لکھی ہے۔ جب آپ اشعۃ اللمعات کی تصنیف میں مصروف تھے تو بعض مضامین ایسے درپیش آئے جن کی تشریح کو فارسی میں مناسب نہ سمجھا۔ فارسی عوام کی زبان تھی بعض مباحث میں عوام کو شریک کرنا مصلحت کے خلاف تھا۔ لہٰذا جو باتیں فارسی میں قلم انداز کردی تھیں وہ عربی میں بیان کر دیں، فرماتے ہیں:-

" دراثنائے مطالعہ آں سخناں روئے نمود کہ درج آں در شرح فارسی مناسب نہ باشد و از دست دادن آں سخنان را نیز گنجائش ندید۔ پس او شرح آں بلسانِ عربی نیز شروع نمود تا چندگاہ ہر دو شرح فارسی و عربی معاً تسوید یافت۔ آخر چناں گشت کہ عربی چوں اسپ تازی بیشتر رفت و تمام شد و فارسی در نیمہ راہ ماند۔ چوں امرانہ نظر ثانی برآں مضبوط شد و تبیض نمود زمانے مدید برآں گشت و مسودہ فارسی حکم نسیاً منسیا گرفت، باز امر شد کہ فارسی نیز تمام گردد۔[2]"

اس شرح کی تکمیل ۲۴ رجب ۱۰۲۵ھ کو ہوئی۔ اس میں لغوی نحوی مشکلات اور فقہی مسائل کو نہایت عمدگی سے حل کیا گیا ہے، اور اس کے ساتھ یہ شرح گوناگوں علمی مباحث لطیف تحقیقات اور مفید معلومات کا مجموعہ ہے۔ علاوہ ازیں احادیث سے فقہ حنفی کی تطبیق نہایت کامیابی کے ساتھ کی گئی ہے۔ خود فرماتے ہیں۔

"کہ اس شرح کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ حضرت امام شافعیؒ اصحاب الرائے میں سے ہیں اور حضرت امام ابوحنیفہؒ اصحاب ظواہر میں سے[3]"

---

[1] تذکرۃ المحدثین ج ۲ - ص ۴۶۰

[2] حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی - ص ۱۶۸ - اشعۃ اللمعات ج ۱ - ص ۲

[3] حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی ص ۱۶۹

شروح کے ساتھ ایک مفید و جامع مقدمہ ہے جس میں شاہ صاحب نے اصول حدیث کے مباحث تحریر کیے ہیں۔ یہ مقدمہ مشکوٰۃ کے متن کے ساتھ اور علیحدہ بھی شائع کیا گیا ہے[۱]
لمعات التنقیح ابھی تک شائع نہیں ہوئی۔ اس کے قلمی نسخے بانکی پور، رامپور، حیدرآباد ایشیاٹک سوسائٹی، دہلی اور علی گڑھ کے کتب خانوں میں موجود ہیں[۲]

۱۰۔ أشعة اللمعات فی شرح المشکٰوۃ یہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی فارسی زبان میں نہایت جامع اور مکمل شرح ہے۔ شیخ محدث نے یہ عظیم الشان کام ۱۰۱۹ھ مطابق ۱۶۱۰ء میں دہلی میں شروع کیا تھا۔ ۱۰۲۵ھ مطابق ۱۶۱۶ء میں چھ سال کی محنت کے بعد مکمل کیا۔ کتاب کے خاتمہ پہ لکھتے ہیں:۔

الکتاب شکر اللہ سعیہ واتم نعمہ ووقع الفراغ من جمیع الاحادیث النبویہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخر یوم الجمعۃ من رمضان عند رویۃ ہلال شوال سنۃ سبع ثلاثین و سبع مائۃ بحمد اللہ[۳]

مشکوٰۃ کی شرح لکھنے کا خیال جن حالات میں پیدا ہوا۔ اس کے متعلق خود فرماتے ہیں:۔

"بعد از رجوع از حرمین شریفین زادہما اللہ تشریفاً وتعظیماً وحصول اجازت روایت حدیث از مشائخ آن دیار شریف چوں توفیق وتائید الٰہی تعالیٰ دستگیری کرد در خدمتِ اہلِ علم شریف در مقامِ استقامت بنشاند خواست کہ کتاب مشکوٰۃ المصابیح را کہ دریں روزگار بسمت تداول واشتہار موسوم است، شرح کند، و از فوائد آنچہ کہ در کتبِ قوم دیدہ و از مشائخ وقت شنیدہ یا بخاطر فاتر رسیدہ، بطالبان برساند"[۴]

---

[۱] تذکرۃ المحدثین ج ۲ - ص ۱۹۴ و حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی ص ۱۶۹
[۲] ایضاً [۳] ایضاً
[۴] اشعۃ اللمعات ج ۱ - ص ۲

حرمین سے واپسی اور وہاں کے شیوخ سے روایت حدیث کی اجازت لینے کے بعد جب حدیثِ نبوی کی خدمت کی سعادت بندہ کو میسر ہوئی کہ مشکوٰۃ المصابیح کی جس کی غیر معمولی شہرت ہے، شرح لکھی جائے، اور اس میں علماء نے اپنی کتابوں کے جو فوائد لکھے ہیں یا جو شیوخِ وقت سے ہم نے سنے ہیں یا جو ہمارے دل میں ہیں، ان کو طلباء کے سامنے بیان کر دیا جائے"

اشعۃ اللمعات کی تکمیل میں حضرت شاہ عبد المعالی کے تقاضوں اور دعاؤں کو بھی بڑا دخل تھا۔ ایک دفعہ شیخ لاہور تشریف لے گئے تو فرمایا "شرح مشکوٰۃ را اتمام کنید۔ انشاء اللہ کتابے شود کہ اہل علم ہمہ ازاں مستفید شوند"[1]

اشعۃ اللمعات چار جلدوں پر مشتمل ہے اور مطبع نول کشور لکھنؤ سے شائع ہو چکی ہے۔ ان چار جلدوں میں مضامین کی ترتیب یہ ہے:۔

پہلی جلد میں علمِ حدیث و محدثین پر ۹۳ صفحات کا ایک مقدمہ ہے، جس میں علم حدیث اور اقسامِ حدیث پر عالمانہ اور بصیرت افروز انداز میں تبصرہ کیا گیا ہے۔ اور امام بخاریؒ، امام مسلمؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ، امام ابوداؤد سجستانیؒ، امام ترمذیؒ، امام نسائیؒ، امام ابن ماجہؒ، امام دارمیؒ، امام دارقطنیؒ، امام بیہقیؒ، امام رزینؒ، امام نوویؒ، امام ابن جوزیؒ کے حالات مختصراً لکھے گئے ہیں، اس کی افادیت کے پیش نظر اس کو علیحدہ بھی شائع کیا گیا۔[2]

اس مقدمہ کے علاوہ پہلی جلد میں مشکوٰۃ کی مندرجہ ذیل پانچ کتابوں کا ترجمہ ہے۔

۱۔ کتاب الایمان ۲۔ کتاب العلم ۳۔ کتاب الطہارت۔ ۴۔ کتاب الصلوٰۃ ۵۔ کتاب الجنائز۔

دوسری جلد میں چھ کتابیں ہیں:

۱۔ کتاب الزکوٰۃ ۲۔ کتاب الصوم ۳۔ کتاب فضائل القرآن ۴۔ کتاب الاموات

---

[1] کتاب المکاتب والرسائل ص ۳۰۶ بحوالہ شیخ عبد الحق محدث دہلوی ص ۱۶۵

[2] ۱۳۰۵ھ اعظم پریس حیدر آباد سے شائع ہوا۔

۵۔ کتاب اسماء اللہ تعالیٰ ۶۔ کتاب المناسک۔

تیسری جلد میں مندرجہ ذیل ۹ کتابیں ہیں۔
۱۔ کتاب البیوع ۲۔ کتاب العتق ۳۔ کتاب الحدود ۴۔ کتاب الامارت والقضاء
۵۔ کتاب الجہاد ۶۔ کتاب الصید والذبائح ۷۔ کتاب الاطعمہ ۸۔ کتاب اللباس۔
۹۔ کتاب الطب والرقی۔

چوتھی جلد میں دو کتابیں ہیں۔
۱۔ کتاب الآداب ۲۔ کتاب الفتن۔

چاروں جلدیں ۲۷۵۵ صفحات پر مشتمل ہیں اور شیخ نے مشکوٰۃ کی شرح کا پورا حق ادا کیا ہے[1]۔ لغات و مطالب کو عمدہ طور پر حل کیا گیا ہے۔ یہ شرح مفید معلومات کا ذخیرہ ہے، اور فقہ حنفی کے مسائل کی وضاحت کے سلسلہ میں یہ بہت عمدہ شرح ہے[2]۔

اشعۃ اللمعات کے قلمی نسخے حبیب گنج (علی گڑھ) اسلامیہ کالج پشاور اور ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ، برٹش میوزیم، بانکی پور، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں موجود ہیں۔ ان سب نسخوں میں حبیب گنج کا نسخہ سب سے زیادہ قدیم اور قابل قدر ہے۔ اس کے خاتمے پر مصنف کے دستِ مبارک سے یہ عبارت درج ہے:

"تمام شد تسوید ایں کتاب عشیۃ یوم الاربعاء ببیست[20] وچہار ربیع الآخر سنہ ہزار و بیست و پنج از ہجرت سید المرسلین و خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ و اصحابہ و اتباعہ اجمعین، و بود ابتداء تالیف سیزدہم ذی الحجہ سنہ یک ہزار و نودہ و بہ تحقیق در آمد در میان مشاغل دیگر از تالیفات دیگر کہ مجموع ۔ سال و کسرے باشد، و تمام شد در خانقاہ قادریہ، در وہی کہ ایں بندہ خدمت می کند۔ او را جاروب می کشد، می افروزد چراغ آں را۔ و بود ابتداء و ختم در یک مکان گو یا در مجلس واحد

---

[1] حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی ص ۱۶۷
[2] تذکرۃ المحدثین ج ۲۔ ص ۱۶۴۔

تمام شد۔ مقصود بیان توفیقِ الٰہی ست سبحانہ و اعطائے وے استقامت، مرا تخصیص وے تعالٰی بندہ مسکین را بسلامت و عافیت۔ الحمد للّٰہ اولاً و آخراً و ظاہراً و باطناً

حررت ہٰذہ الاسطر علی یدہ مولفہ الفقیر الحقیر عبدالحق بن سیف الدین القادری الدہلوی البخاری، ضحوۃ یوم الجمعۃ ۱۰۵۹ھ الف و تسع اربعین و آخر دعوائی الحمد للّٰہ رب العالمین۔[۱]

۱۱۔ جامع البرکات منتخب شرح المشکوٰۃ	حضرت شیخ نے اپنی شرح مشکوٰۃ کا دو جلدوں میں خلاصہ کیا

ہے۔ فہرس التوالیف میں اس کے متعلق فرماتے ہیں:۔

"مجموع آمدہ است شامل فوائد کثیرہ و عوائد عزیزہ در یں باب یک دو متن حدیث ذکر کردہ، در باقی احادیث بر مضامین آن اقتصار کردن و اختصار نمودہ شدہ است"[۲]

۱۲۔ اسماء الرجال والرواۃ المذکورین فی کتاب المشکوٰۃ	یہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی تصنیف ہے۔ اس میں مشکوٰۃ کے سب راویانِ حدیث کے نام یکجا کر دیے گئے ہیں

شروع میں خلفائے راشدین کا ایک طویل تذکرہ ہے۔ اس کے بعد اہل بیت کا حال ہے۔ پھر راویانِ حدیث کے حالات حروف تہجی کی ترتیب سے لکھے گئے ہیں۔

"اسماء الرجال والرواۃ المذکورین فی کتاب المشکوٰۃ" کا ایک قلمی نسخہ بانکی پور کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ یہ کتاب ابھی چھپی نہیں ہے[۳]

۱۳۔ الرحمۃ المھداۃ الی من یرید زیادۃ العلم علی احادیث المشکوٰۃ (عربی)	یہ محی السنۃ مولانا السید نواب صدیق حسن خاں رئیس بھوپال (م ۱۳۰۷ھ) کی تصنیف ہے۔

صاحب مشکوٰۃ امام خطیب تبریزی نے ہر باب کو ۳ حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ نواب صاحب نے ہر فصل کے بعد چوتھی فصل کی احادیث کا اضافہ کیا ہے[۴]

(باقی)

---

[۱] حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی ص ۱۶۷۔

[۲] ایضاً ص ۱۷۰ [۳] ایضاً ص ۱۷۱

[۴] ہندوستان میں اہل حدیث کی علمی خدمات ص ۴۶

مسوّدۂ قانونِ قصاص و دِیَت

چوھدری محمد اسلم سلیمی ایڈووکیٹ سیکرٹری جائزہ کمیٹی

دو مسودہ ہائے قانون (قانونِ شفعہ و قانونِ قصاص و دِیَت) کے متعلق منصورہ کی جائزہ کمیٹی کا تبصرہ سابق شمارے میں اشاعت کے لیے شامل کیا گیا مگر آخری مراحل میں ایک حصہ اشاعت سے رہ گیا۔ بقیہ حصہ یعنی قانونِ قصاص و دِیَت کے بارے میں تبصرہ پیش کیا جا رہا ہے۔ (ا ۔ ا ۔ س)

سیکرٹری کمیٹی کا دوسرا خط:۔

بخدمت جناب جسٹس ڈاکٹر تنزیل الرحمن صاحب چیئرمین اسلامی نظریاتی کونسل۔ اسلام آباد

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ ۔ بحوالہ مراسلہ نمبر ۳۴۸ مورخہ ۱۸ صفر ۱۴۰۱ھ (۲۷ دسمبر ۱۹۸۰ء) گذارش ہے کہ اس مراسلے میں درج ذیل حضرات پر مشتمل کمیٹی نے آپ کی خدمت میں مسودہ قانون شفعہ آرڈیننس ۱۹۸۰ء پر تبصرہ ارسال کیا تھا۔

۱ - مولینا ملک غلام علی صاحب - سابق معاونِ خصوصی مولینا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم و مغفور منصورہ - صدر کمیٹی۔

۲ - شیخ التفسیر والفقہ مولانا قاضی عبدالرزاق خلیق صاحب استاذ مرکز علوم اسلامیہ منصورہ - رکن کمیٹی۔

۳ - شیخ الحدیث مولانا عبدالمالک صاحب استاذ مرکز علوم اسلامیہ منصورہ - رکن کمیٹی

۴ - محمد اسلم سلیمی - ایڈووکیٹ ہائی کورٹ - سیکرٹری کمیٹی

اب اس مراسلے کے ذریعے جسمِ انسانی کے خلاف جرائم (نفاذ قصاص و دِیَت) کے آرڈیننس ۱۹۸۰ء کے مسودہ پر تبصرہ ارسال خدمت ہے۔ اس مسودے کے جائزے کے دوران کمیٹی کے مندرجہ بالا ارکان

کے علاوہ درج علمائے کرام بھی شریک رہے۔

۱- مولانا ڈاکٹر اسرار احمد مظاہری صاحب صدر علماء اکیڈیمی منصورہ۔

۲- مولانا حافظ عبدالحمید صاحب معاون مولانا ملک غلام علی صاحب۔ منصورہ

کمیٹی اس مسودۂ قانون کا جائزہ لینے کے بعد اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ انسانی جسم پر اثر انداز ہونے والے جرائم سے متعلق رائج الوقت قانون کو قرآن و سنّت میں بیان کردہ اسلامی احکام کے مطابق بنانے میں اسلامی نظریاتی کونسل نے جو محنت کی ہے وہ قابلِ قدر ہے۔ ہماری دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ کونسل کے ارکان اور جملہ کارپردازوں کو جزائے خیر سے نوازے۔ آمین!

کمیٹی ایک بار پھر اس مسودے کو رسمی قانون بنائے جانے سے پہلے رائے عامہ معلوم کرنے کے لیے مشتہر کرنے کے اقدام کی تحسین کرتی ہے۔ اور کمیٹی شکر گذار ہے کہ اس کمیٹی کی تجویز اور دوسرے بہت سے اہلِ علم کے مشورے/تجاویز کے مطابق اس اہم مسودۂ قانون پر تبصرہ کرنے کی مدّت میں مناسب اضافہ کر دیا گیا۔

کمیٹی نے اس مسودۂ قانون کا جائزہ لیتے وقت اُردو اور انگریزی زبان میں جاری کردہ دونوں مسودوں کو پیشِ نظر رکھا۔ اگرچہ معلوم ہوتا ہے کہ اصل قانون تو انگریزی میں مرتب کیا گیا ہے اور اُردو مسودہ اس کا ترجمہ ہے۔ اس ترجمے میں بعض مقامات پر مفہوم واضح نہیں ہوتا یا عبارت میں ایک سے زائد مفاہیم کی گنجائش پائی جاتی ہے۔ کمیٹی کی تجویز یہ ہے کہ اس قانون کا اطلاق چونکہ پاکستان کے ہر شہری پر ہوگا۔ اس لیے ان کے استفادہ کے لیے اصل قانون کو تو اُردو زبان میں ہی منظور کیا جائے لیکن انگریزی خواں طبقے کی سہولت کے لیے اس کا انگریزی ترجمہ بھی سرکاری طور پر کرا لیا جائے۔

ان تمہیدی گزارشات کے بعد آرڈیننس پر تبصرہ درج ذیل الفاظ میں پیشِ خدمت ہے۔

۱۔ــــ کمیٹی کی رائے میں دفعہ ۲ تعریفیات میں ضمنی دفعہ (ح) کے بعد "عاقلہ" کی وہ تعریف بھی درج کر دی جائے جو آگے چل کر دفعہ ۲۹ میں کی گئی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ اصطلاح عام قانون دان حضرات کے لیے نئی ہے اس لیے شروع میں ہی تعریفیات کے ضمن میں بھی اس کو بیان کر دینا سہولت کا موجب ہوگا۔

۲ــــ دفعہ ۴ میں قتلِ عمد کی جو تعریف کی گئی ہے اس میں اگر "فعل" سے پہلے "ہتھیار یا" کے الفاظ بڑھا دیے جائیں تو بات زیادہ واضح بھی ہو جائے گی اور پھر یہ تعریف فقہ کے اصولوں کے مطابق

بھی ہو جائے گی۔ اسلامی فقہ میں آلۂ قتل بھی اپنی اہمیت رکھتا ہے اور لوہے کے آلات مثلاً تلوار، خنجر، چاقو وغیرہ کی ضربات سے ہلاک کرنے والے کو قتلِ عمد کا مرتکب قرار دیا جاتا ہے۔ ایسے مہلک ہتھیار کا استعمال ہی یہ ظاہر کرتا ہے کہ اس کا استعمال کرنے والا فقط زخمی کرنے کا نہیں بلکہ جان سے مار ڈالنے کا ارادہ رکھتا ہے۔

اس آرڈی ننس کی دفعہ ۳۰ جس میں قتل شبہ العمد کی تعریف کی گئی ہے، اس میں فعل سے پہلے "ہتھیار یا" کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ اس لیے قتلِ عمد کی تعریف میں بھی صرف فعل کے بجائے "ہتھیار یا فعل" کے الفاظ زیادہ موزوں ہوں گے۔

۳ــــ دفعہ ۴ قتلِ عمد کی تعریف کے بعد تین تشریحیں دی گئی ہیں ان سے پہلے ہماری رائے میں ایک تمثیل کا اضافہ کیا جانا ضروری ہے

تمثیل:۔ ۱۔ اگر الف عمداً ب کو جو معصوم الدم ہے، قتل کرنے کے لیے اس پر حملہ کرتا ہے اور ب کے بجائے اور دوسرا شخص ج جو معصوم الدم ہے، غلطی سے ہلاک ہو جاتا ہے تو الف کو قتلِ عمد کا مرتکب قرار دیا جائے گا۔

اس اضافے کی وجہ یہ ہے کہ جو تین تشریحات دفعہ ۴ کے ضمن میں دی گئی ہیں، اُن میں سے کسی ایک میں بھی وہ شخص جس کے قتل کا ارادہ کیا گیا ہو، اس کے بجائے کسی اور معصوم الدم کو قتل کر دیے جانے کی صورت بیان نہیں کی گئی ہے۔ ایسا وقوعہ بھی ہو جاتا ہے اور وہ قتل شبہ العمد نہیں بلکہ قتلِ عمد کی تعریف میں آتا ہے۔ اس لیے ایسی صورت کو بالوضاحت تمثیل کی صورت میں بیان کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

۴ــــ دفعہ نمبر ۸ "اکراہ تام اور اکراہ ناقص کے تحت وقوع موت کا سبب بننا" کے ضمن میں تشریح نمبر ایک میں اکراہ تام کی ایک متبادل صورت (یا اسے اغلام یا زنا بالجبر کا نشانہ نہ بننے) نہایت نادر الوقوع ہے جو کتاب فقہ عامہ میں اکراہ تام کے تحت مذکور نہیں اور اس کی عدالتی تفتیش و تحقیق بھی محال ہے۔ اس صورت کو اکراہ تام کے معنی میں شامل کرنا مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ البتہ اکراہ تام کے معنی میں ایک شرط کا اضافہ کر دینا ضروری ہے۔ وہ شرط یہ ہے۔

"بشرطیکہ مجبور کرنے والا اپنی دھمکی پر معاً عمل کرنے کی قدرت رکھتا ہو"۔ براہ کرم تشریح نمبر ا

میں یہ اضافہ کر دیا جائے۔

۵۔ دفعہ نمبر ۱۳۔ "وہ صورتیں جن میں قتل عمد کا قصاص نہیں لیا جائے گا" کے ضمن الف میں مجرم کے مجنون ہو جانے کی صورت کو بھی شامل کیا جانا ضروری ہے۔ اس لیے ضمن الف کے آخر میں درج ذیل الفاظ بڑھائے جائیں۔

"...... یا وہ مجنون ہو جائے"

۶۔ دفعہ نمبر ۱۹۔ "قتلِ عمد کے مقدمے میں قصاص کا نفاذ" کی ضمنی دفعہ (۳) میں نفاذِ قصاص کے وقت ولی یا اُس کے مجاز کردہ نمائندہ کی صرف حاضری اور محض اجازت دینے کا ذکر ہے۔ حالانکہ فقہ اسلامی کی رُو سے اگر ولی چاہے تو خود نفاذِ قصاص کر سکتا ہے۔ اس لیے دفعہ نمبر ۱۹ کی ضمنی (۳) میں یہ اضافہ کیا جائے۔

"ولی یا اس کا مجاز کردہ نمائندہ موجود ہوگا" کے الفاظ کے بعد "اگر وہ چاہے اور شرعی طریق پر اسے نافذ کر سکتا ہو تو خود قصاص کرے گا" مزید درج کیے جائیں۔

نیز دفعہ نمبر ۱۹ کی ضمنی دفعہ (۳۰) میں مجرمہ کے حاملہ عورت ہونے کی صورت میں التوا کی گنجائش ہے۔ اس میں صرف پیدائش یا اسقاط جنین کے بعد دو مہینے کے التوا کا ذکر موجود ہے۔ حالانکہ حدیث و فقہ کی رُو سے بچے کی پرورش کے کوئی اور انتظام نہ ہونے کی صورت میں نفاذِ قصاص میں التوا بچے کے دُودھ چھڑانے تک کے لیے بھی ہو سکتا ہے۔ اس لیے ضمنی دفعہ ۳۰ میں درج ذیل اضافہ کیا جائے۔

الفاظ "دو مہینے نہ گذر جائیں" کے بعد ان الفاظ کا اضافہ کیا جائے۔

"اور اگر بچے کی پرورش کا کوئی اور انتظام نہ ہو تو دُودھ چھڑانے تک انتظار کیا جائے گا"

۷۔ دفعہ نمبر ۲۱۔ "قتل شبہ العمد کی سزا" کی ضمنی دفعہ الف میں قید با مشقت اور عاقلہ سے دیت لینے کا ذکر ہے۔ یہ ترتیب درست معلوم نہیں ہوتی۔ دیت کا عاقلہ سے لیا جانا تو شریعت کا مقرر کردہ حکم ہے اور تعزیر کا تعین حکومتِ وقت کی طرف سے ہے اس لیے تعزیر کا ذکر دیت کے بعد ہونا چاہیے نہ کہ اس سے پہلے۔

ضمنی دفعہ الف کو اس طرح لکھنا مناسب ہوگا۔

"(الف) اگر مقتول معصوم الدم ہو تو قاتل یا مجرم کی عاقلہ یا مجرم سے دیت لی جائے گی اور اسے قید بامشقت یا قید محض کی سزا دی جاسکے گی جس کی مدت پچیس سال تک ہوسکتی ہے"۔

۸۔ دفعہ نمبر ۴۲۔ "جلد بازی یا بے پرواہی سے گاڑی چلا کر ارتکاب قتل خطا کی سزا" میں گاڑی کی نوعیت کی تخصیص کی کوئی بنیاد شریعت میں ہمیں نظر نہیں آتی۔ اس لیے اس دفعہ میں عوامی گاڑی کی اصطلاح استعمال کرنے کی حاجت نہیں ہے۔ ہماری رائے میں اس دفعہ میں سے "عوامی" کا لفظ حذف کر دیا جائے اور اس طرح اس دفعہ کی "تشریح" کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔ اس لیے تشریح کو بھی حذف کر دیا جائے۔

ہماری رائے میں کسی بھی گاڑی کو چلانے والے کسی شخص کو چاہے وہ پرائیویٹ گاڑی کا مالک ہی کیوں نہ ہو آن مخصوص حالات میں جس کا ذکر ضمن الف تا د میں کیا گیا ہے، ارتکابِ جرم کرنے پر سخت سزا دینی چاہیے۔ اسی طرح دفعہ ۶۹ سے بھی 'عوامی' کا لفظ اور اس دفعہ کی تشریح کو حذف کر دیا جائے۔

۹۔ دفعہ نمبر ۶۵۔ "دیت کی قیمت" کی پہلی دو سطروں میں عبارت واضح نہیں ہے اور ایک سے زائد مفہوم مراد لیے جاسکتے ہیں۔ اس لیے ہمارے خیال میں اس عبارت کو بدل کر اس طرح کر دیا جائے تو بات زیادہ واضح ہو جائے گی۔

"عدالت، مجرم اور اس کی عاقلہ اور اس شخص کی، جسے دیت کی ادائیگی کا ذمہ دار قرار دیا گیا ہو، استطاعت اور اولیائے مقتول کی احتیاج کو ملحوظ رکھتے ہوئے مندرجہ ذیل پیمانوں میں سے کسی ایک پیمانے کے مطابق دیت کی قیمت کا تعین کرے گی، یعنی:......

۱۰۔ دفعہ نمبر ۴۳۔ "شجہ موضحہ" اور دفعہ ۴۴ "شجہ ہاشمہ" اور دفعہ ۵۰ "شجہ دامنہ" میں ہڈی کے ٹوٹنے کو "کسر واقع ہونے" کے الفاظ کی صورت میں بیان کیا گیا ہے۔ اردو میں کسر کا مفہوم وہ نہیں ہے جو عربی میں لفظ کسر کا ہے۔ اس لیے یہاں ہڈی ٹوٹنے نہیں" اور ہڈی ٹوٹ جانے" کے الفاظ استعمال کیے جائیں، تو مفہوم زیادہ واضح ہو جائے گا۔ کسر واقع ہونے کے الفاظ اگر کسی اور جگہ بھی استعمال ہوئے ہیں تو ان کو بھی تبدیل کر دیا جائے۔

۱۱۔ دفعہ نمبر ۵۳، "وہ صورتیں جن میں ضرب رسانی موجب قصاص نہیں" میں صورت (ج) کی عبارت

کا اُردو ترجمہ محتاجِ اصلاح معلوم ہوتا ہے۔ اگر مناسب ہو تو اس کو اس طرح کر دیا جائے۔

(ج) "جب کہ مجرم نے اتلافِ عضو کا ارتکاب مضروب کے کسی جسمانی لحاظ سے ناقص عضو یا جزو کے خلاف کیا ہو اور خود مجرم کے اس عضو یا جزو میں اس قسم کا جسمانی نقص موجود نہ ہو۔"

۱۲۔ دفعہ نمبر ۹۹۔ "قسامت" کی ضمنی دفعہ نمبر ۱۰ کی عبارت میں انگریزی لفظ ALLEGE کا ترجمہ محتاجِ اصلاح معلوم ہوتا ہے۔ "یہ کہا جائے" کے بجائے "یہ الزام غلط کیا جائے" کے الفاظ زیادہ بہتر ہو سکتے ہیں۔

۱۳۔ دفعہ نمبر ۱۰۸ کی ضمنی دفعہ ۲ کے اجزاء الف تا ج میں انگریزی لفظ کا ترجمہ درست معلوم نہیں ہوتا۔ کرے گا، لائے گا اور لے گا کے بجائے "کر سکے گا" "لا سکے گا" اور "لے سکے گا" کے الفاظ صحیح تر ہیں۔

۱۴۔ دفعات نمبر ۱۱۸۔ "توضیح" اور ۱۱۹۔ "ذیلی معاملات" کے اُردو ترجمہ میں "قرآن و سنت میں مذکور" کے الفاظ کے بجائے "قرآن و سنت میں مذکور یا ان پر مبنی" کے الفاظ درج کرنے سے ائمہ فقہ کے اقوال اور اسلامی فقہ کے اصول بھی ان میں شامل ہو جائیں گے اور مفہوم زیادہ واضح ہو جائے گا۔ "مذکور" کے لفظ کی یہ تعبیر بھی کی جا سکتی ہے کہ صرف وہی احکام مراد ہیں جو قرآن و سنت میں صراحتاً درج ہیں۔

کمیٹی کے نزدیک اس مسودہ کی دفعات نمبر ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰ اور ۱۱۱ مقدمات کے جلد فیصلے کی موجب بنیں گی اور اس طرح انصاف بلا تاخیر اور سہل الحصول ہوگا۔ ہو سکتا ہے کہ بعض قانون دان حضرات ان دفعات کی مخالفت کریں لیکن ہمارے نزدیک ان کو حذف کرنا مناسب نہیں ہوگا۔

کمیٹی کی رائے میں بحیثیت مجموعی، نفاذِ قصاص و دیت کا آرڈیننس قرآن و سنت میں بیان کردہ اسلامی احکام کے مطابق ہے اور یہ اقدام بھی لائقِ تحسین ہے کہ اس اہم قانون کی آخری منظوری اور نفاذ سے پہلے رائے عامہ کی تائید و حمایت اور اہلِ علم کا اعتماد حاصل کرنے کی اچھی کوشش کی گئی ہے۔

رسائل و مسائل

ترجمۂ تفہیم القرآن کے ایک مقام کی توضیح

جناب ملک غلام علی صاحب

سوال:۔ میں آپ کی توجہ تفہیم القرآن کے ترجمے میں ایک تسامح کی طرف دلانا چاہتا ہوں۔ سورہ بقرہ۔ آیت ۱۲۶ میں مولانا مودودیؒ نے رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا ...... کا ترجمہ کیا ہے۔ "اس شہر کو امن کا شہر بنا" مولانا عبدالماجد دریابادی نے بھی یہی ترجمہ کیا ہے۔ یہ ترجمہ صحیح نہیں ہے۔ صحیح ترجمہ یہ ہے "اس جگہ کو امن والا شہر بنا"۔ کیونکہ جس وقت حضرت اسماعیل کو وہاں آباد کیا گیا اور جس وقت بناءِ کعبہ تیار کی گئی، اس وقت وہاں صرف چند جھونپڑیاں اور چند سکونتی جگہیں تھیں۔ اس حالت میں اسے شہر کہنا صحیح نہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا منشاء بھی یہی تھا کہ اے پاک پروردگار، اس وادیٔ غیر ذی زرع کو، اس دشت کعبہ کو ایک پُر امن اور بارونق شہر میں تبدیل کر دے۔ چنانچہ یہ دعا قبول ہوئی۔ دونوں حضرات یعنی مودودی و ماجدی نے شاید یوں سمجھ لیا ہے کہ هٰذَا بلدًا ایک ہی مفعول ہے حالانکہ هٰذَا کے بعد کاما (،) ہے اور اشارہ اس وقت کے مکہ معظمہ کے محل وقوع کی طرف ہے، یعنی اس موقع کو۔ پھر عرض کیا بَلَدًا اٰمِنًا (امن والا شہر) بنا۔ از روئے عربیت بھی تو یہ غلط ہے کیونکہ ہذا معرفہ ہے اور بلداً نکرہ ہے۔ کیا آپ کو ہماری رائے سے اتفاق ہے؟

جواب:۔ آپ کا نوازش نامہ ملا۔ میں نے اس کے ساتھ تفہیم القرآن کا ترجمہ پڑھا اور دونوں پر غور کیا۔ میری سمجھ میں جو کچھ آیا وہ یہ ہے کہ دونوں ترجمے صحیح ہیں اور تفہیم اور تفسیر ماجدی کے ترجمے پر جو اعتراضات اشکالات آپ نے وارد فرمائے ہیں وہ کچھ زیادہ جاندار نہیں ہیں۔ آپ کا ترجمہ درج ذیل ہے۔

"اے پروردگار، اس (قطعۂ زمین وادی غیر ذی زرع دشت کعبہ) کو ایک آباد شہر بنا دے جس میں

امن و امان قائم رہے"۔

مولانا مودودی کا ترجمہ ہے۔

"اس شہر کو امن کا شہر بنا"

مولانا دریا بادی کا ترجمہ ہے۔

" اس شہر کو امن والا بنا"

میرے نزدیک تو یہ سارے ترجمے صحیح ہیں۔ آپ کا اعتراض یہ ہے کہ جس وقت حضرت اسماعیلؑ کو وہاں آباد کیا گیا اور بنائے کعبہ تیار کی گئی اس وقت وہاں صرف چند جھونپڑیاں اور چند سکونتی جگہیں تھیں، اس حالت میں اسے شہر کہنا صحیح نہیں۔ آپ مزید فرماتے ہیں کہ " دونوں حضرات نے شاید یوں سمجھا ہے کہ ہذا بلدًا ایک ہی مفعول ہے، حالانکہ ہذا کا اشارہ بلد کی طرف نہیں بلکہ صرف اس وقت کے مکہ معظمہ کے محل و قوع کی طرف ہے اور از روئے عربیت بھی تو یہ غلط ہے کیونکہ ہذا معرفہ ہے اور بلد نکرہ"۔ لیکن میری دانست میں آپ کا سارا اعتراض و استدلال محض نزاعِ لفظی کی قبیل سے ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کی دعا کا منشا اگر یہ سمجھا جائے کہ وہ اس قطعۂ ارضی کے حق میں دعا مانگ رہے تھے جو حرم مکہ پر مشتمل ہے یا اس کا مدعا و مآل خیال کیا جائے کہ وہ اس آبادی یا بستی کے لئے دعا کر رہے تھے جو اس وقت کے بشری نفوس پر بھی حاوی و شامل تھی جو دعا کے وقت وہاں مکین تھے یا آئندہ چل کر وہاں آباد ہوں گے، ان دونوں باتوں میں کوئی تضاد نہیں ہے بلکہ ان میں سے کوئی ایک یا دونوں ہی مراد ہو سکتے ہیں۔ اس وقت کی آبادی کو بھی بلد یا شہر کہا جا سکتا ہے اور اس محل و قوع یعنی بلد حرام کی آئندہ ہونے والی آبادی پر بھی اس کا اطلاق ہو سکتا ہے۔

یہ امر سیاق کلام ہی سے ثابت و ظاہر ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے یہ دعا اس وقت نہیں مانگی جب کہ وہ حکم ربانی کی تعمیل میں حضرت ہاجرہ اور ان کے نومولود صاحبزادے کو بیابان میں اللہ کے حوالے کر کے جا رہے تھے بلکہ یہ اس وقت کی دعا ہے جبکہ ذبح عظیم کے آزمائشی مراحل میں سے گزر کر حضرت اسماعیلؑ جواں سال ہو چکے تھے اور باپ بیٹے ایک دوسرے حکم الٰہی کے تحت بیت اللہ کی تعمیر کا فریضہ انجام دے رہے تھے اس وقت قبیلۂ جرہم یہاں آباد ہو چکا تھا جس میں حضرت اسمٰعیل متاہل ہوئے تھے حضرت ابراہیم وقتاً فوقتاً ان سے ملاقات اور پرسش احوال کے لئے تشریف لاتے تھے اس کا ذکر صحیح احادیث میں ہے۔

اس لئے ضروری نہیں کہ حضرت اسمٰعیل کے ایام طفولیت سے لے کر تعمیر کعبہ کے مرحلے تک وہاں کی آبادی چند جھونپڑیوں ہی تک محدود ہو۔ اگر ہو بھی، تب بھی اس موجود یا آئندہ متوقع آبادی کو بلد یا شہر کہہ دینے میں کوئی مضائقہ نہیں جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔

لغوی ترکیب کے لحاظ سے بھی ضروری نہیں کہ دعا میں ہذا کا مشار الیہ بلد نہ ہو، بلکہ لازماً کوئی دوسرا محذوف ومعہود لفظ مثلاً قطعہ یا بقعہ ہو۔ یہاں بلد یا البلد کا لفظ بھی مشار الیہ ہو سکتا ہے اور وہ نکرہ بھی ہو سکتا ہے، نکرہ ہوگا تو برائے تفخیم و تعظیم ہوگا، ورنہ مراد حرم مکہ کا متعین رقبہ ہے اور معرفہ ہوگا تو بھی ظاہر ہے کہ مراد البلد الحرام ہی ہوگا۔ آپ کو غالباً یاد نہ رہا کہ ایسی ہی دعا سورہ ابراہیم (۳۷) میں بھی مذکور ہے اور وہاں الفاظ ہیں رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا ...... یہیں بواد غیر ذی زرع کے الفاظ بھی وارد ہیں۔ مفسرین میں سے بعض کا خیال ہے کہ یہ دوسری دعا ہے اور بعض کا خیال ہے کہ دونوں دعائیں تعمیر کعبہ ہی کے وقت کی ہیں۔ جبکہ حضرت اسمٰعیلؑ جوان تھے اور حضرت اسحٰقؑ بھی پیدا ہو چکے تھے بہرکیف جو صورت بھی ہو اس میں حضرت ابراہیمؑ عرض کر رہے ہیں کہ "اے ہمارے رب میں نے اپنی اولاد کو اس بنجر وادی میں بسا دیا ہے" اور دعا طلب کر رہے ہیں کہ میرے رب، اس بلد (ھذا البلد) کو امن والا شہر بنا۔ یہاں آپ کے ان سارے اعتراضات کا کیا جواب ہوگا جو آپ نکرہ و معرفہ اور بلد اور البلد کو بنیاد بنا کر کر رہے ہیں؟ اگر کوئی جواب ہے تو وہی ہمارا جواب ان خردہ گیریوں کا ہوگا جو آپ دوسروں کے ترجمے پر کر رہے ہیں۔ یہاں نکرہ کے بجائے معرفہ استعمال ہوا ہے۔

آخر میں یہ بھی عرض کر دوں کہ بلد کا ترجمہ اردو میں شہر کے سوا کئے بغیر چارہ نہیں۔ کیونکہ اردو زبان میں عربی جیسی وسعت نہیں، ورنہ لغت میں ہر خالی قطعہ زمین کو بلد کہہ سکتے ہیں، خواہ اس میں انسان بستے ہوں، مردے دفن ہوں، یا چرند، پرند یا وحشی جانور پائے جاتے ہوں۔ قاموس میں البلد کے معنی ہیں۔

كل قطعة مستحيزة عامرة او غامرة والتراب والقبر والمقبرة
والدار والاثر وأدحي النعام"

(ہر قطعۂ زمین جس کے حدود معین ہوں وہ بلد ہے خواہ آباد ہو یا اجاڑ ہو، چٹیل ہو، مقبرہ ہو، گھر ہوں یا کھنڈر یا چوپایوں کا مسکن ہو)

تقریباً یہی معانی تاج العروس میں درج ہیں۔ امام راغب مفردات القرآن میں فرماتے ہیں۔

البلد = المکان المختط المحدود المتانس باجتماع قطانہ ..... وسمیت المفازة بلدا لکونها موطن الوحشیات والمقبرة بلد الکونها موطناً للاموات ......

(یہ قریب قریب وہی مضمون و مفہوم مذکورہ بالا ہے جو دوسرے الفاظ میں بیان کر دیا گیا ہے)

قرآن مجید کے تین مقامات (الفرقان - ۴۹، الزخرف ۱۱، قٓ - ۱۱) میں بارش کے ذریعے سے بلدةً میتاً کے زندہ کیے جانے کا ذکر ہے - یہاں مردہ بستی سے مراد ایسی افتادہ زمین بھی ہو سکتی ہے جہاں کوئی آبادی یا روئیدگی نہ ہو۔ اس سے لازماً مراد آباد جگہیں نہیں ہیں۔

بے پردگی اور اختلاطِ مرد و زن

سوال:- یہ بات آج کل سوالِ روح بنی ہوئی ہے کہ ایک اسلامی ریاست میں اختلاطِ مرد و زن کی باقاعدہ ترویج کی مہم چل رہی ہے - اسلامی معاشرہ کی بنیاد ہی مرد اور عورت کے ایک خاص طرز تعلقات پر ہے - اگر اس کی نوعیت ہی کو بدل دیا جائے تو پھر اسلامی طرز زندگی اور اس کے جملہ متعلقات بدل کر رہ جائیں گے - یہ لوگ آخر کیوں مَنْ حبّ ب المحبِ ب حلت به النار امه کے مصداق بن رہے ہیں

اس کو روکنے کی عملی تدبیر بھی ہو اور پُر زور علمی تحریک بھی - کتابوں اور پمفلٹوں، اخبارات و رسائل اور ریڈیو اور ٹیلی وژن کے ذریعے کام ہونا چاہیے ۔

جواب:- (از نعیم صدیقی) عورتوں کے مقام کے متعلق آپ کے خیالات و احساسات بالکل درست ہیں - دُنیا میں قوموں کا بگاڑ دو شکلوں میں ظاہر ہوتا ہے - ایک دولت کے معاملے میں غلط رویّہ، دوسری عورت کا صحیح مقام متعین نہ کر سکنا - اور ان دونوں خرابیوں کی جڑ یہ ہوتی ہے کہ انسان کا تعلق خدا سے درست نہیں ہوتا - یعنی یا تو وہ اس کے وجود ہی کا منکر ہوتا ہے، یا اُسے مانتا ہے مگر زندگی کے مسائل سے بے تعلق مانتا ہے، یا اس کی رہنمائی کو صرف عقیدوں، پوجا پاٹ اور چند جزوی اخلاقیات تک محدود سمجھتا ہے -

ہمارے ہاں بھی جتنے بگاڑ ہیں وہ خدائی ہدایت سے انحراف کا نتیجہ ہیں - بے پردگی اور اختلاطِ صنفین

کا فروغ بھی اسی وجہ سے ہے۔ نہ تو جدید عورتوں نے کبھی سنجیدگی سے یہ جاننے کی کوشش کی کہ خدا و رسولؐ کے احکام کیا ہیں، نہ اُن کے گھروں کے مردوں نے عائلی نظام کو چلاتے ہوئے قرآن و حدیث سے کبھی رہنمائی لی، اور نہ حکمرانوں نے ہی کبھی سنجیدگی و دلسوزی سے یہ سوچا کہ ترقی نسواں کی مغربی تہذیب ان کے دینی اصول و مقاصد سے ٹکراتی ہے۔

میرا تو خیال یہ ہے کہ مغرب کے مفکرین اور پروپیگنڈسٹ اور کلچرسٹ مسلمانوں کو اسلامی نظام سے محروم رکھنے کے لیے مسلمان عورتوں ہی کو استعمال کرنا چاہتے ہیں۔ ایران میں عورتوں کی بے حجابی فیشن لباس میں ذرا کمی آئی تو مسلمانوں کے مغربی سرپرستوں کو بڑی تشویش ہوئی جس کا مظاہرہ بے باک خاتون رپورٹر اوریانا فلاسی نے کیا۔ افریقہ میں ایسے بھی علاقے ہیں جہاں کے تسلط یافتہ عیسائیوں نے یہ پابندی لگا رکھی ہے کہ کوئی لڑکی کسی اسکول میں سر پر دوپٹہ یا اسکارف لے کر داخل نہیں ہو سکتی۔ سمرقند و بخارا میں روس نے بعض خواتین کو گھر سے نکال کر پردے اتروائے، کیونکہ پردہ دار، خانہ نشین، قرآن سرا عورت کے ہوتے مسلم گھرانوں کے گہوارہ ہائے تربیت کو بدلا نہیں جا سکتا۔ (لادین ۱ اور برائے نام مسیحی) مغرب کا جہاں کہیں تہذیبی سحر طاری ہے، وہاں لٹریچر، پروپیگنڈے، ایلیٹ مخلوط تعلیم اور ایک خاص رنگ کی زنانہ تنظیموں کے ذریعے عورتوں کے جدید طبقے کو دین سے دور ہٹا کر ایسے مقام پر پہنچا دیا ہے کہ وہ اور ان کے عادات و اطوار اور ان کی سرگرمیاں اور مشاغل اسلامی نظام کے قیام میں ایک مؤثر رکاوٹ بن سکتے ہیں۔ پہلے تو بات مخلوط تعلیم تک تھی، اب ہاکی اور کرکٹ کی زنانہ ٹیمیں وجود میں آ رہی ہیں جو ملک کے اندر ہی کرشمے نہیں دکھائیں گی، دوسرے ممالک میں جا کر بھی دوہرا سامانِ تفریح بنیں گی۔ اگلی منزل مقابلہ ہائے حسن کی شرکت کی ہے۔ پھر جنسی جذبات اور کھلے معاشقوں کا وہی طوفان یہاں اُٹھے گا اور وہی عائلی گندگی پھیلے گی جس کا ماتم مغرب کے سنجیدہ دشمن مفکرین کرتے رہتے ہیں۔

یہ بات ہر شک و شبہ سے بالا ہے کہ گھر کی پناہ گاہ سے نکل آنے والی عورت نے پردے کو چھوڑ کر اس کی جگہ اپنے آپ کو جس طرح گراں قیمت لباسوں اور میک اپ کے سامانوں اور مخلوط ثقافتی تقریبوں اور ضیافتوں اور استقبالوں کے حوالے کر دیا ہے، ان کے بھاری مصارف کو پورا کرنے کے لئے نہ صرف یہ کہ وہ ملازمتوں کی کمائی کو خرچ کرتی ہیں بلکہ شوہروں کو مجبور کرتی ہیں کہ وہ رشوت، خیانت اور ناجائز نفع اندوزی کے ذریعے قوم کا پیسہ نچوڑ نچوڑ کر انہیں دیں اور وہ ان کی شخصیت اور حسن اور وسیع روابط پر صرف کرتے رہیں۔ اس کے

نتیجے میں ہمارے ہاں بدعنوانیوں کا سیلاب چند ہی برس میں اس زور سے چڑھا ہے کہ پانی سروں سے اونچا ہو گیا ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ مصیبت کہ اعلیٰ گھرانوں کی عورتیں ماڈلنگ، شو بزنس، ترنم اور رقص کے راستوں سے کمائی کرتی ہیں اور بعض کی پستی انہیں جنسی مریضوں کی خوابگاہوں تک لے جاتی ہے۔ یہ رنگ ڈھنگ دیکھ کر جب غریب طبقے کی لڑکیوں کا جی للچاتا ہے تو ان میں سے ایک تعداد تو مواقع ملنے پر متذکرہ طریقوں کو اختیار کر لیتی ہے اور بقیہ اکثریت احساس کمتری میں گھٹتی اور کڑھتی رہتی ہے۔ عورت بگاڑ مہم کو پہلے تو صرف فلموں کی محدود مدد ملی تھی اب ٹیلیویژن نے تو ہر کسر پوری کر دی ہے۔

حکومت کو سب سے بڑی فکر تو اپنی بقا کی ہوتی ہے خصوصاً ان حالات میں جن سے ہم دوچار ہیں۔ پھر مسائل و معاملات کا ایک ہجوم ہے جو ان کے چاروں طرف منڈلاتا رہتا ہے جن میں سے کچھ کا وہ ادھورا اور کچھ کا غلط حل نکالتے ہیں اور اس باعث ہر مسئلے کے بطن سے دس اور مسئلے جنم لیتے ہیں۔ ایسے میں آپ کے حکام کی نگاہ میں اول تو بے پردگی اور مخلوط معاشرت کوئی خرابی ہوگی ہی نہیں، اور ہو بھی تو اتنی اہم نہیں کہ وہ کمر باندھ کے اس کے ازالے کے لیے نکل کھڑے ہوں۔ جو قوت قتل اور ڈاکے اور بدعنوانی اور بدکاری جیسے جرائم کی امڈتی لہر کو کم نہ کر سکے وہ بے پردگی اور مخلوط معاشرت کا کیا بگاڑ سکے گی!

اب تک کے تجربوں کی روشنی میں یہی ثابت ہوتا ہے کہ اقامتِ دین کا کام کسی بھی دائرے اور شعبے میں ایک ایسی ٹیم کے بغیر ممکن نہیں ہے جو اس جذبۂ بے تاب کے ساتھ اقتدار پر آئے کہ اسے ایسے منکرات کو نہیں چلنے دینا ہے جو اسلام کے رو بعمل آنے میں مانع و مزاحم ہوں۔ ایسی انقلابی ٹیم یہ گوارا نہیں کرے گی کہ وہ کوئی حکم جاری کرے اور وہ چلے نہیں۔ وہ ایسے لوگوں کا زور توڑے گی جو احکام کے غیر مؤثر بنانے اور ان میں تحریف کرنے کا باعث بنتے ہیں۔ ایسی ٹیم کو میدان میں آنے پر جو اولین کام کرنے ہوں گے ان میں سے ایک یہ ہے کہ خواتین کے لئے الگ یونیورسٹیاں قائم کر کے مخلوط تعلیم کا خاتمہ کر دے اور پھر مخلوط مجالس اور تقاریب کا انسداد کرے اور پھر فرموں اور دفتروں اور گاڑیوں میں عورتوں کے لئے جداگانہ کمروں اور نشستوں کا انتظام کرائے۔ نیز عورت کو دکانوں، ہوٹلوں اور اشتہارات میں شکاریوں کے لاسے کے طور پر استعمال کرنے کی ممانعت کر دے۔ اس کے بعد عورتوں کے لئے پردہ اختیار کرنا مشکل نہیں رہے گا۔ معمولی ترغیب و ترہیب کافی ہوگی۔

ایسے حالات پیدا ہونے تک ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنا تو نہ قرینِ عقل ہے، نہ مطابق دین۔ وہ تمام

لوگ جو اسلامی تہذیب میں عورت کے مقام کو جانتے ہیں اور جنہیں تسلیم ہے کہ خدا اور رسولؐ نے پردے کا حکم دیا ہے۔ اُن کی طرف سے حالات کی اصلاح کے لیے پہلا قدم یہ ہوگا کہ وہ اپنے گھروں میں اپنے زیرِ تربیت اور زیرِ کفالت بچیوں اور خواتین کو احکامِ حجاب سے آگاہ کریں۔ اور اُن کو پردے کا پابند بنائیں۔ جن کے ہاں پہلے سے پردہ ہے وہ مغربی ترقی کی دلدادہ شیدا عورتوں کے پیدا کردہ ذہنی دباؤ کے تحت، پردے میں ایسے رخنے نہ پیدا کریں جن کی اجازت شریعت نے نہیں دی ہے۔ کیونکہ مزاحمت و کشمکش کے دوران میں جو قدم پیچھے ہٹتا ہے، وہ پھر ہٹتا ہی چلا جاتا ہے۔ نظامِ اسلامی کے داعی یا دینی تحریک کے لیڈر بننے والوں کو تو نہایت چوکنا رہنا چاہیے کہ مخالفِ پردہ قوت کہیں اُن کے حرم خانوں میں چور دروازوں سے داخل نہ ہو جائے۔ ایسے لوگ اگر موجود ہوں تو وہ بے پردگی اور مخلوط معاشرت کے خلاف موثر کام کر سکتے ہیں۔ اُن کی تقریریں بھی نتیجہ خیز ہوں گی اور تحریریں بھی۔ جو لوگ اُدھر ہی جا لٹکیں، اُن سے نہ مقالات سے کچھ بنے گا اور نہ خطبات سے۔ میں یہ دیکھ کر بڑا دکھ محسوس کرتا ہوں کہ بعض محبانِ دین کی نگاہ میں پردے کا مسئلہ کچھ زیادہ قابلِ توجہ نہیں رہا، جیسے ہو رہا ہے اور جیسے ہوتا جاتا ہے، وہ اطمینان سے رہتے ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ اس معاشرے میں سچے پردہ پسند گھرانوں کی ایک بڑی تعداد موجود ہے اور کام کرتی بھی رہی ہے مگر ان کی مقدارِ کار ضرورت سے کم ہے۔ ورنہ اگر ٹھیک کام کیا جائے تو جتنے واقعات پردہ ترک کرنے کے ہوتے ہیں۔ اُن سے زیادہ تعداد میں بے پردہ خواتین اور لڑکیاں پردہ اختیار بھی کرتی دکھائی دیں۔ اگر یک طرفہ ٹریفک مخالف سمت میں بڑھ جائے تو یہ حالت کام کرنے والوں کی ہمت و صلاحیت کی نفی کرتی ہے۔

علی الخصوص اسلام سے محبت کرنے والی خواتین اگر خود عورتوں کے حلقوں میں گھس کر پردے اور معاشرت کے اسلامی تقاضوں کی تبلیغ نہ کریں، اور ساتھ کے ساتھ بے پردگی اور مخلوط معاشرت کی تحریک کے خلاف مختلف اطراف سے مہم نہ چلائیں تو شاید محض مردوں کی صفِ کام کرنے کی رفتار کو زیادہ نہیں بڑھا سکتی —— خدا کرے کہ یہاں بزرگ خواتین کی رہنمائی میں فطانت اور عزم رکھنے والی لڑکیوں کی ایسی ٹیمیں جابجا متحرک ہو جائیں جو پاکستانی مسلم عورت کو مغربیت کے سیلاب میں ڈوبنے سے بچا سکیں۔ مجھے بہت زیادہ امید اُن نوجوان طالبات سے ہے جو اعلیٰ مدارج میں تعلیم حاصل کرتے ہوئے مخلوط ماحول ہونے کے باوجود پورے شعور و ایمان کے ساتھ بڑی مضبوطی سے پردے کو اختیار کر رہی ہیں۔ یہ طالبات آگے چل کر وہ قوت

بن سکتی ہیں جو بے پردگی اور جدید معاشرت اور کلچر کے خلاف لڑ سکے۔ خدا کرے اُن کو موجودہ ماحول میں انقلابی انداز پر کام کرنے کے لیے صحیح رہنمائی مل سکے۔ افسوس ہے کہ اب تک تو یہی نتیجہ سامنے آیا ہے کہ پردہ پسند عورتیں مؤثر کام نہیں کر سکتیں حتیٰ کہ وہ تخریب بر پردہ کی تحریک چلانے والی خواتین کی سرگرمیوں کے خلاف محاذ بھی نہیں بنا سکیں۔

تحریری کام کے لحاظ سے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مغفور نے پردے پر جو کتاب لکھی ہے۔ وہ ہر لحاظ سے ایک مکمل اور جامع کتاب ہے۔ اور جدید ذہن کو متاثر بھی کر سکتی ہے۔ علاوہ ازیں تفہیم القرآن میں بھی اس سلسلے کے مباحث موجود ہیں۔ پھر بھی یہ ضرورت مجھے تسلیم ہے کہ ایسا نیا لٹریچر تیار ہوتے رہنا چاہیے جسے پڑھ کر ایک خاتون یا لڑکی یہ محسوس کرلے کہ بے پردہ رہنا بھی ویسا ہی گناہ ہے جیسے چوری یا رشوت ستانی یا کوئی اور فعلِ حرام!

آپ نے جس گہرے جذبے سے اس "پیشِ نظر افتادہ" مسئلے کو چھیڑا ہے وہ قابلِ قدر ہے۔ خدا کرے اس کی برکت سے مجھ میں اور دوسرے خادمانِ دین میں، خصوصاً" پابندِ شریعت خواتین میں اس خاص پہلو سے کام کرنے کا نیا عزم پیدا ہو جائے، پھر لٹریچر بھی از خود نمودار ہوگا، تقاریر بھی ہوں گی ـــ اخباروں میں بھی لکھا جائے گا۔ اور ہو سکتا ہے کہ یہ کلمۂ حق ریڈیو اور ٹیلی وژن سے بھی بلند ہو۔

(ن ۔ ص)

مطبوعات

اسلام کا نظامِ کفالت
از جناب طاہر رسول قادری
باہتمام ادارۂ معارف اسلامی کراچی
ناشر: البدر پبلی کیشنز
۲۳ راحت مارکیٹ۔ اردو بازار لاہور
صفحات: ۲۵۵۔ قیمت درج نہیں

اسلامی نظامِ کفالت جس کا مقصد غریب طبقوں کو سہارا دینا ہے اس کا وسیع و مؤثر ادارہ زکوٰۃ ہے۔ کسی مسلم معاشرے میں اگر دیانت داری سے زکوٰۃ (و عشر) دی جائے تو چند برس میں پوری آبادی کی ضروریات زندگی پوری ہو سکتی ہیں۔ اس لحاظ سے نظامِ زکوٰۃ طبقاتی تصادم اور اس سے پیدا ہونے والے بگاڑ کو روکنے کا ذریعہ بھی ہے۔

ادارہ معارفِ اسلامی سے وابستہ طاہر رسول قادری صاحب نے زکوٰۃ ہی کے مسائل کو واضح کرنے کے لیے یہ کتاب لکھی ہے۔ خاصی محنت سے کام کیا ہے اور اس کی افادیت واضح ہے۔

ایک کمی یہ رہ گئی ہے کہ جو مسائل بیان کیے گئے ہیں، حاشیے میں ان کے حوالے نہیں دیئے گئے۔ دوسری کمی یہ ہے کہ محض فقہا (خصوصاً حنفیہ) کے مدون کردہ احکام لکھے گئے ہیں۔ مگر ان کے حِکَم و مصالح نبیان نہیں کیے گئے۔ اس وجہ سے عوام اور جدید تعلیم یافتہ اصحاب بعض الجھنوں سے دوچار ہوں گے۔ مثلاً نقود کا جو نصاب درج کتاب ہے۔ اس کے بخلاف حنفی مسلک کے تحت بنک یا پراویڈنٹ فنڈ کی رقوم (جو وصول طلب قرض کی حیثیت رکھتی ہیں) میں سے جب ساڑھے دس تولہ چاندی کی قیمت کے برابر رقم وصول ہو جائے تو زکوٰۃ دی جائے۔ (ص ۸۸) ٹرانسپورٹ کے سلسلے میں، دو ر سابق میں باربرداری کے اونٹوں کے استثنیٰ کا جو ذکر ہے، کیا یہ نجی ضروریات باربرداری تک محدود تھا یا کرایہ کی باربرداری پر بھی۔ دونوں صورتیں یکساں نہیں ہیں۔ مگر وضاحت درج نہیں۔ (ص ۹۲) مشینوں پر زکوٰۃ ہو یا نہ ہو، مسئلہ واضح نہیں ہو سکا۔ (ص ۹۵) کھیلے سکے بنانا مَنْ غَشَّنَا ..... کے تحت اس وقت آتے ہیں جب خالص بتا کر کھپت دیا جائے لیکن اگر سکوں کی دھات کی حقیقت کا اعلان کر دیا جائے تو غل و غش کی صورت نہیں ہوگی۔ (ص۔ ۱۲۱) تجارتی مال کا نصاب سونے کو رکھنے سے ۱۱ ہزار سے کم سرمایے والے کاروباریوں کو استثنیٰ ہوگا۔ حالانکہ ۵ ہزار روپیہ لگانے والا بھی اپنے سرمایے کو سال میں ۶، ۸ چکر دے کر خاصی آمدنی حاصل کرتا ہے۔ یہ نصاب زیادہ

ہے۔ (ص ۱۳۲) معادن کی کئی پیچیدگیاں ہیں، ان میں سے ایک تیل گیس وغیرہ کا کسی شخص کی ملکیتی زمین سے نکل کر اس کا حق قرار پانا ہے۔ (ص ۱۵۴) اس کے معنی یہ ہیں کہ ایسی معدنیات کا معاملہ افراد پر چھوڑ دیا جائے۔ اور وہ اگر برآمد کی ٹیکنالوجی کے مصارف برداشت نہ کر سکیں تو سب کچھ زمین کے اندر دبا رہے اور حکومت کام کرنا چاہے تو قطعۂ زمین کا مالک حاصل شدہ دولت کا ایک بڑا حصہ اجتماعی بہبود سے الگ کرا کے لے جائے۔ ملحوظ یہ بھی رہنا چاہیے کہ کسی کی ۴۔ ایکڑ زمین میں تیل کا جو کنواں کھودا جائے گا وہ نیچے کے کتنے وسیع رقبے سے تیل حاصل کرے گا (ص ۱۵۵)۔ مؤلف نے آگے چل کر ذاتی رائے دی ہے کہ تیل اور گیس کی برآمد کا کام سرکاری سطح پر ہونا چاہیے۔ مگر پھر اس میں سے زکوٰۃ نکالنے کے کیا معنی؟ (ص ۱۵۷، ۱۵۸) کسی کافر کو معدن نکالنے کا حق نہیں دیا جائے گا۔ ترغیبی لحاظ سے یہ درست ہے، مگر عملی دشواریاں یہ ہیں کہ بعض معدنیات کی بھاری ٹیکنالوجی مسلمانوں کے ہاتھ میں نہ ہو۔ (ص ۱۵۵) لقطہ کے طریق اعلان میں ریڈیو، ٹیلی وژن کے ذرائع کا اضافہ کرنا چاہیے (ص ۱۵۵) ذی حیثیت مساکین (ص ۱۸۶ - ۱۸۷) کی طرف توجہ کرنے سے پہلے مفلوک الحال اور معذور لوگوں کی اکثریت کو سنبھالا جائے۔ کام چوروں اور بے روزگاروں میں مناسب امتیاز کر دیا گیا ہے (ص ۱۸۸ - ۱۸۹) نکاح کے سلسلے میں کچھ عبارت مسخ ہو گئی ہے (ص ۱۹۸)

پاکستان کے حوالے سے ایک اہم ضرورت یعنی کہ وصولی و صرف زکوٰۃ کی مشینری کا بہتر نقشہ تجویز کیا جاتا۔ بہ حیثیت مجموعی ابواب و فصول کی زیادہ بہتر شکل دی جا سکتی ہے۔ بعض جگہ متفرق بیانی کا انداز ہے۔

متذکرہ اشارات تنقیص کے لیے نہیں ہیں، خیر خواہانہ مشورے کی روح رکھتے ہیں۔ ان اشارات سے قطع نظر، اس کتاب کو لکھ کر مرتب نے بڑی اچھی خدمت کی ہے اور یقیناً اس کی قدر کی جائے گی۔

کتاب : صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ
مرتب : راز کاشمیری
ناشر : سیرت مشن پاکستان۔ لاہور
صفحات : ۲۰۸
سفید کاغذ، خوبصورت طباعت
قیمت مجلد : ۳۳ روپے

جناب راز کاشمیری بہت طباع ہیں اور صاحب ابداع۔ نعت بھی ان کا خاص دائرۂ نگارش ہے۔ تعلیم اور شعر و ادب کے میدانوں میں وہ ایک مقام رکھتے ہیں۔ پچھلے سال انہوں نے ایک دلچسپ نقشہ کار بنایا۔ ایسی نعتیں جن میں "صلی اللہ علیہ وسلم" بطور ردیف کے آتا ہے، مختلف شعراء کے لے، ان سے اخذ کیں اور کچھ سے فرمائش کر کے لکھوائیں۔ اب ۱۹۰ شعراء کی نعتوں کا

یہ مجموعہ ایک مبارک گلدستہ بن کر ہمارے سامنے ہے۔ خدا تعالیٰ رانا کاشمیری کی کوشش کو قبول فرمائے اور جن شعراء کی نعتیں مجموعے میں شریک ہیں، اُن کو جزائے خیر دے۔

ماذ ماذ (نعتیہ مجموعہ)
شاعر: عبدالعزیز خالد
ناشر: ارمغان اکادمی - لاہور
ضخامت: ۱۲۰ صفحات
سفید کاغذ، خوبصورت جلد
قیمت: دس روپے

عبدالعزیز خالد کی شاعری اور نعت گوئی سے اب کون ناواقف ہے۔ یہ نعتیہ مجموعہ بھی خالد کے مخصوص فن و ذوق کا آئینہ دار ہے، یہ انہی نوشتوں سے حضورؐ کے مختلف ناموں کو اخذ کر کے اس نے اپنے مجموعوں کا عنوان بنایا ہے۔ اب کی بار ایسا ہی نام "ماذ ماذ" نمایاں ہو کر آیا ہے۔

اس شعری مجموعہ میں پُر زور جذبہ بھی ہے، نغمگی کا اہتمام بھی اس حد تک کہ مصرعوں کے اندر بھی قوافی چلتے ہیں۔ لغتِ غریب کو امیر بنانے کا عمل بھی حسب سابق ہے — مترادفات ...... تاریخی محاکات اور استعارت بھی ...... دور دور سے جمع کرنے کا ذوق کارفرما ہے۔ خالد کی شاعری کے طوفانوں میں کہیں موتی ہیں، کہیں بلبلے۔ اہلِ ذوق کے لیے بڑا میدان استفادہ ہے۔

اس کتاب کی کتابت کسی خوشنویس سے کرانے کے بجائے خالد نے خود کی ہے۔ اس جدّت نے کتاب کو ایک نئی اہمیت دے دی ہے۔ غالباً اسی کی وجہ سے ممکن ہوا کہ اتنی خوبصورت کتاب کی قیمت صرف دس روپے ہے۔

حیاتِ بہادر یار جنگ
از: جناب غلام محمد صاحب بی اے (عثمانیہ)
پبلشر: بہادر یار جنگ اکادمی کراچی
پتہ: پی اے - ۱۴ اے سراج الدولہ روڈ بہادر آباد کراچی ۵۔
مجلد ۲۶۸ صفحات قیمت ۱۵ روپے

نواب بہادر یار جنگ کی شخصیت ایسے مرتبے کی تھی کہ ان کی سوانح کا محفوظ ہونا بہت ضروری تھا۔ یہ ضرورت اس کتاب سے پوری ہوتی ہے۔ اس کا پہلا ایڈیشن فروری ۱۹۴۶ء میں نکلا۔ دوسرا اپریل ۱۹۴۷ اور تیسرا اصلاح شدہ نظر ثانی کے بعد ایڈیشن جون ۱۹۸۰ء میں۔ مؤلف کتاب کی اپنی کاوش کے علاوہ پیش لفظ مولینا عبدالماجد دریا بادی کا ہے اور دو مضامین بطور ضمیمہ آخر میں شامل ہیں جو علامہ سید سلیمان ندوی مرحوم اور مولینا مناظر احسن گیلانی مرحوم کے لکھے ہوئے ہیں۔

اس مختصر کتاب میں نواب صاحب کے ابتدائی حالات کے علاوہ، ملازمت کا دور، زیارتِ حرمین، بلادِ اسلامیہ

کی سیاحت، سہ سالہ تبلیغی کام، خاکسار تحریک سے وابستگی کا دور، مجلس اتحاد المسلمین کا کام، مسلم لیگ سے گہرا تعلق اور قائداعظم سے خصوصی قلبی ربط، شانِ خطابت، کلامِ اقبال کا فہم، علمی کام اور دم واپسیں وغیرہ ابواب زندگی کا بیان ہے۔ نواب مرحوم کی بہت سی تقریروں اور سیاسی تحریروں کی روح اس مختصر جملے میں بند ہے کہ

"میری منزل مسلمان کو منفرداً اور جماعت اسلامیہ کو مجتمعاً منہاج نبوی پہ دیکھنا ہے۔"

اس فقیر منش اور جہاد پسند نواب کے بارے میں وقت کے مسلم اکابر نے یوں اندازہ کیا کہ یہ دوسرے محمد علی جوہر ہیں۔ مگر انہیں قدرت کی طرف مہلت کار کم ملی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

کتاب : حسنِ معاشرت
از : خیر النساء صاحبہ بہتر
(والدہ معظمہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی)
ناشر: مجلسِ نشریاتِ اسلام
پتہ : ا۔ کے۔۳۔ ناظم آباد، کراچی ۱۸

زیرِ نظر کتابچہ کے بارہ ایڈیشن پہلے چھپ چکے ہیں۔ حسن معاشرت نامی کتاب کم تعلیم یافتہ گھریلو لڑکیوں کے لیے لکھی گئی ہے اور بہت چھوٹی چھوٹی باتوں پر بھی نہایت اہم اور مفید مشورے جمع کر دیئے گئے ہیں۔ یہ کتاب بنیادی طور پر لڑکیوں سے متعلق ہے۔ میکہ، سسرال، خانہ داری، تربیت اولاد، چھوٹے بچوں کا گھریلو علاج معالجہ، مہمانداری کے علاوہ چند نعتیں اور پھر مناجات جمع کر دی گئی ہیں۔ مختلف اوقات کے لیے دعائیں بھی ایک جگہ جمع ہیں۔

حسن معاشرت کتاب کو ایک نظر دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ جیسے ایک ماں اپنی بیٹیوں سے مخاطب ہو۔ اندازِ بیان دل نشین اور اچھا ہے اور عام گھروں میں رہنے والی لڑکیوں کے لیے مفید کتاب ہے۔

محمد فاروق مودودی

(بقیہ اشارات) پر تیار نہیں ہوگا۔ پرامن تبدیلی کے راستے بند کر دے گا۔ لوگوں پر جبر کر کے ان کے حقوق سلب کرے گا۔ اور ان وجوہ سے بالآخر وہ تخریبی عناصر کو طوفانِ فساد اٹھانے کا موقع دے گا جس کی لپیٹ میں نہ جانے کیا کیا کچھ آئے گا۔

ایسا دنیا کے مختلف معاشروں میں بارہا ہوا ہے۔ ضرورت ہے کہ آئندہ کے لیے لوگ عبرت کا درس لیں۔ خاص طور پر مسلم معاشروں کے قائدین تو ان تاریخی صداقتوں سے آنکھیں نہ چرائیں جن کو خدا اور رسولؐ نے صراحت سے بیان کر دیا ہے۔

توجہ فرمائیں

خط وکتابت کرتے وقت اپنا خریداری نمبر ضرور لکھا کریں۔ کیونکہ خریداری نمبر کے بغیر تعمیل میں دشواری پیش آتی ہے۔

مینجر ترجمان القرآن

ادارہ ترجمان القرآن کی نئی پیشکش

جناب محمد صلاح الدین صاحب مدیر "جسارت"

کے قلم سے

بنیادی حقوق

پیش لفظ

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی

حرفِ آغاز

محمد صلاح الدین

○

کاغذ ولائتی — طباعت آفسٹ — کور خوبصورت

سائز ۲۲×۱۸/۸

○

قیمت: بیس روپے

○

ادارہ ترجمان القرآن، اچھرہ، لاہور